جبریل علیہ السلام کی حکایات

مؤلفہ:
مولانا ابو النور محمد بشیر



نام کتاب : ——— جبریل کی حکایات
مؤلف : ——— سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر
کاتب : ——— محمد نعیم کیلانی
مصحح : ——— محمد عالم مختار حق
مطبع ——— رومی پرنٹرز لاہور
سن طباعت ——— دسمبر ۱۹۹۰ء
قیمت ——— روپے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلی نظر

سچی حکایات، مثنوی کی حکایات، سنی علماء کی حکایات، دیوبندی علماء کی حکایات، عورتوں کی حکایات اور شیطان کی حکایات، میں نے لکھیں آپ نے پڑھیں اور پسند کیں۔ حکایات کے رنگ میں مسلکِ حق اہلِ سنت کی تائید اور عقائد باطلہ کی تردید کا یہ سلسلۂ حکایات بہت مفید ثابت ہوا۔ عزیزی رشید احمد سلمہ نے ایک روز مجھ سے کہا کہ اگر آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی بھی کچھ حکایات جمع کر کے ان پر اپنے سبق لکھیں تو یہ بھی بہت مفید ہوگا۔ چنانچہ میں نے اس کے کہنے پر حضرت جبریل علیہ السلام کی بھی چند حکایات جمع کیں اور ان پر مفصل و مدلل سبق لکھ ڈالے۔ لیجیے پڑھیے۔ ان شاء اللہ ان حکایات و اسباق کو بھی پڑھ کر آپ محظوظ ہوں گے۔

ابوالنور محمد بشیر

حضرت جبریل علیہ السلام کیوں پیدا کیے گئے

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ ابریز شریف میں فرماتے ہیں۔

وَسَيِّدُنَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا خُلِقَ لِخِدْمَتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (جواہر البحار ص۶۵۴ ج ۱)

جبریل علیہ السلام کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

حسن میاں علیہ الرحمۃ نے اسی کا ترجمہ اس شعر میں فرمایا ہے ؎

خدا نے جب ازل میں نعمتیں تقسیم فرمائیں
لکھی جبریل کی تقدیر میں خدمت محمد کی

حضرت دباغ رضی اللہ عنہ پھر فرماتے ہیں۔

لَوْ عَاشَ سَيِّدُنَا جِبْرِيلُ مِائَةَ اَلْفِ عَامٍ اِلٰى مِائَةَ اَلْفِ عَامٍ اِلٰى مَا لَا نِهَايَةَ لَهٗ مَا اَدْرَكَ

رُبُعًا مِنْ مَعْرِفَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا
مِنْ عِلْمِہٖ بِرَبِّہٖ تَعَالٰی۔ (صفحہ مذکورہ)

جبریل علیہ السلام اگر لاکھوں سال اور بے نہایت عرصہ تک بھی زندہ رہیں۔ پھر بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعرفان کا چوتھائی حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

پھر فرمایا۔

جبریل کو جو شان و مرتبہ ملا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی بدولت ملا ہے۔ ؎

لا و رب العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حکایت نمبر ۱

جبریل کی عمر

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔ اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبریل نے عرض کیا حضور! اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اَنَا ذٰلِکَ الْکَوْکَبُ

میرے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہ نورانی تارہ ہوں۔ (روح البیان ص۹۷۴ ج ۱۔ زیر تفسیر لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ)

سبق

خدا تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اللہ رب العالمین ہے اور حضور رحمۃ للعالمین۔ عالمین جمع ہے عالم کی۔ عالم بہت سے ہیں۔ ماضی کا عالم۔ حال کا عالم۔ مستقبل کا عالم فرشتوں کا عالم۔ جنوں کا عالم۔ انسانوں کا عالم۔ جمادات کا عالم۔ نباتات کا عالم حیوانات کا عالم۔ مغرب کا عالم۔ مشرق کا عالم۔ جنوب کا عالم۔ شمال کا عالم۔ بچپن کا عالم۔ جوانی کا عالم۔ بڑھاپے کا عالم۔ اسی طرح جتنے بھی عالم ہو سکتے ہیں ان سب کو جمع کریں تو ایک عالمین بنتا ہے۔ خدا ان سب عالموں کا رب یعنی پالنے والا ہے۔ یہی لفظ عالمین رحمۃ للعالمین میں بھی ہے اور عالمین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ گویا حضور اُن سارے عالموں کے لیے رحمت ہیں۔ جن کے لیے اللہ رب ہے۔ اور حضور کی رحمت اتنی ہی وسیع ہے جتنی اللہ کی ربوبیت وسیع ہے۔

رب کا معنی ہے پالنے والا۔ خدا نے ماں کے لیے بھی یہ لفظ اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ ماں باپ کے لیے یوں دعا مانگنے کا حکم دیا کہ۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ (پ ۱۵۔ ع ۳۔)

عرض کر کہ میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں
نے مجھے بچپن میں پالا۔

"کَمَا رَبَّیَانِی" میں بھی لفظ رب موجود ہے۔ ماں باپ دونوں بچے کے پالنے والے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ماں باپ کی اس ربوبیت کے اظہار کے لیے ماں باپ کے سینے میں پہلے بچے کے لیے رحمت و پیار کو پیدا فرمایا اگر ماں باپ کے سینے میں بچے کے لیے رحم و پیار موجود نہ ہو۔ تو وہ کبھی بچے کو پال نہ سکیں۔ ماں باپ اپنا سکھ، چین اور راحت سب کچھ بچے کے لیے قربان کر دیتے ہیں، تب جا کر بچے کی پرورش ہوتی ہے۔ گویا ربوبیت کے لیے پہلے رحمت کا ہونا ضروری ہے۔

خدا تعالیٰ نے بھی اپنا ربُّ العالمین ہونا ظاہر فرمانے کے لیے پہلے رحمۃ للعالمین کو پیدا فرمایا۔ اگر رحمۃ للعالمین پیدا نہ ہوتے تو اللہ کے رب العالمین کا اظہار نہ ہوتا۔ اسی لیے حدیث قدسی میں وارد ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّةَ۔ (مکتوبات امام ربانی ص۲۲ ج ۳)

میرے محبوب! اگر تم نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت ظاہر نہ فرماتا۔

یہ حدیث قدسی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف میں درج فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے اظہار کے لیے سارے عالموں سے پہلے رحمۃ للعالمین کو پیدا فرمایا گیا ؎

ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
تجھے بو کر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے

خدا کی پہلی مخلوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا
اے جابر!

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ۔ (مواہب لدنیہ ص۹ ج ۱)

اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

معلوم ہوا کہ ساری مخلوقات سے پہلے حضور کا نور پیدا ہوا۔ اس لیے حضور خدا کی پہلی مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور عالمین کو وجود میں آنے کے لیے خدا کی ربوبیت کا مربوب بننا ضروری تھا اور خدا کی ربوبیت کے اظہار کے لیے پہلے رحمت کا ہونا ضروری تھا۔ رحمت ہوتی تو اظہارِ ربوبیت ہوتا۔ رحمت نہ ہوتی تو اظہارِ ربوبیت بھی نہ ہوتا۔ تو عالمین کا وجود ہی نہ ہوتا اس لیے رحمت کو عالمین پر تقدم حاصل ہے۔ اگر عالمین میں کوئی ایسا وقت بھی تسلیم کیا جائے کہ عالم ہو اور رحمت نہ ہو۔ تو اس صورت میں حضور حقیقی معنوں میں رحمۃ للعالمین نہ ہوں گے اس لیے کہ عالمین میں کچھ حصہ رحمت کے بغیر بھی نظر آیا۔ مگر رب نے یہ منظور نہ فرمایا۔ اور پہلے نورِ رحمۃ للعالمین کو پیدا فرما کر پھر عالمین کو پیدا فرمایا۔

چونکہ جبریل بھی عالمین میں شامل ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل سے بھی تقدم حاصل ہے۔ جبریل اتنی طویل عمر کے باوجود حضور کے بعد ہی پیدا ہوئے۔ اول حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نور کی کرنیں

شارح بخاری حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ اوپر کی حدیث نور درج فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے

نے جب نورِ محمدی کو پیدا فرمایا۔ تو اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم۔ نہ جنت تھی نہ دوزخ
نہ کوئی فرشتہ تھا نہ آسمان نہ زمین نہ چاند نہ سورج نہ کوئی جن نہ انسان کچھ بھی
نہ تھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو نورِ محمدی صلی اللہ
علیہ وسلم کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔

پہلے حصہ سے قلمِ قدرت کو پیدا فرمایا۔
دوسرے حصہ سے لوحِ محفوظ کو پیدا فرمایا۔
تیسرے حصہ سے عرش کو پیدا فرمایا۔
چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اور
پہلے حصہ سے حاملینِ عرش کو پیدا فرمایا۔
دوسرے حصہ سے کرسی کو پیدا فرمایا۔
تیسرے حصہ سے باقی تمام فرشتوں کو پیدا فرمایا۔
چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اور
پہلے حصہ سے آسمانوں کو پیدا فرمایا۔
دوسرے حصہ سے زمینوں کو پیدا فرمایا۔
تیسرے حصہ سے جنت و دوزخ کو پیدا فرمایا۔
چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا اور
پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور پیدا فرمایا
دوسرے حصہ سے مومنوں کے دلوں کا نورِ معرفت پیدا فرمایا اور
تیسرے حصہ سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ (مواہب لدنیہ صہ ۹ ج ۱)

معلوم ہوا۔ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر تقدم حاصل ہے
اور ہر کمال، جلال و جمال اسی نور کی بدولت ہے ؎

ز قدرت سرو بستاں آفریدند — ز رُوئت مہرِ تاباں آفریدند
ز چشمت نرگس از روئے تو گل — ز زلفت سنبلستان آفریدند
ز دندان و لب جاں بخش عالم — دُر و لعلِ بدخشاں آفریدند
نقاب از چہرۂ زیبا کشا دند — کہ از روئے ماہِ تاباں آفریدند
برائے سجدۂ محرابِ ابرو — بدلہا ذوقِ ایماں آفریدند

حضرت امام قسطلانی کی تشریحِ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ساری مخلوق
بشمولیت جبریل حضور کے نور کی بدولت معرضِ وجود میں آئی۔ اور حضور ساری
مخلوق بشمولیت جبریل سے بھی پہلے پیدا کیے گئے۔

جبریل نے اپنی عمر کی طوالت سنانے کے لیے کہا کہ چوتھے حجاب
میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اُسے بہتّر ہزار
مرتبہ دیکھا ہے۔" اور جب حضور کا جواب سنا کہ "وَعِزَّةِ رَبِّي اَنَا ذَالِكَ
الكَوكَبُ۔ میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ نورانی تارہ ہوں"۔ تو جبریل
کو پتا چلا کہ حضور تو مجھ سے بھی پہلے کے ہیں۔

بشریت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبریل سے بھی پہلے کے ہیں۔ اور آدم
علیہ السلام جبریل کے بعد پیدا فرمائے گئے اور بشریت
کی ابتدا حضرت آدم سے ہوئی۔

معلوم ہوا کہ حضور اس وقت بھی موجود تھے۔ جب کہ بشریت شروع

بھی نہیں ہوئی تھی ، موجود بھی تھے ۔ اور نبی بھی تھے ۔ چنانچہ حضور نے فرمایا ۔
"كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ۔ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پانی و مٹی ہی میں تھے " گویا حضور کا نور اس وقت بھی شانِ نبوت لیے ہوئے جگمگا رہا تھا ۔ جب کہ ابوالبشر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے بشریت کا ہونا ضروری نہیں ۔ اگر ضروری ہوتا تو ابوالبشر آدم علیہ السلام سے پہلے آپ نبی کیسے ہو سکتے تھے ۔ نبی کے لیے بشر ہونا ضروری نہیں مگر ہماری ہدایت کے لیے نبی کا بشریت کے لباس میں آنا ضروری ہے ۔ چنانچہ حضور کی حقیقت نور ہے ۔ آپ ہماری ہدایت کی خاطر بشریت کا جامہ پہن کر تشریف لاتے ۔ نبوت بشریت کی محتاج نہیں امت محتاجِ بشریت ہے اپنی ہدایت کے واسطے ۔

عارضی بشریت

حضرت امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ آیت يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ۔

اَخْبَرَ اللّٰهُ بِهٰذَا الْآيَةِ اِنَّ الْبَشَرِيَّةَ فِيْ نَبِيِّهٖ عَارِيَةٌ وَّ اِضَافِيَةٌ لَا حَقِيْقَةٌ (روح البیان ص۱۵ ج۴)

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ میرے نبی کی بشریت عارضی و اضافی ہے ۔ حقیقی نہیں ہے ۔

یہ ہے بڑے بڑے ائمہ و بزرگانِ دین کا فیصلہ کہ حضور کی بشریت عارضی ہے ۔ حقیقت آپ کی نور ہے ۔

حضور کا کھانا پینا

حضور کو اپنی مثل بشر کہنے والے کہتے ہیں ۔ حضور بھی ہماری طرح کھاتے پیتے رہے ۔ پھر وہ ہماری مثل بشر کیوں نہیں ؟ ہم کہتے ہیں ۔ بے شک حضور نے کھایا پیا ۔ مگر ہماری طرح وہ کھانے پینے کے محتاج نہ تھے ۔ کیونکہ آپ خود فرماتے ہیں ۔

اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ ۔

(بخاری شریف ص۱۰۹۲ ج۲)

میں تمہاری مثل نہیں ہوں ۔ میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں ۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے ۔

حضور کے اس ارشاد سے ثابت ہوا ہے کہ حضور کھانے پینے کے محتاج نہیں ۔ مگر آپ نے جو کھایا پیا اُس لیے نہیں کہ آپ کھانے پینے کے محتاج ہیں بلکہ اس لیے کھایا پیا تاکہ امت کو کھانا پینا جائز ہو جاتے اور امت کو کھانے پینے کی تعلیم دے سکیں ۔ چنانچہ شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

كَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بَشَرِيُّ الظَّاهِرِ مَلَكُوْتِيُّ الْبَاطِنِ وَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَأْتِيْ اِلٰى شَيْءٍ مِّنْ اَحْوَالِ الْبَشَرِيَّةِ اِلَّا تَأْنِيْسًا لِاُمَّتِهٖ وَتَشْرِيْعًا لَهَا لَا اِنَّهٗ مُحْتَاجٌ اِلٰى شَيْءٍ مِنْ ذَالِكَ ۔

(مواہب لدنیہ ص۲۴۲ ج۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر میں بشریت ہے اور باطن

میں ملکوتیت۔ آپ بشریت کے تقاضوں میں سے جن تقاضے کو بھی اپناتے (مثلاً کھانا پینا، سونا، جاگنا وغیرہ) اس لیے نہ اپناتے کہ آپ اس کے محتاج ہیں۔ بلکہ اس لیے اپناتے کہ وہ تقاضے امت کے لیے جائز ہو جائیں اور امت ان سے مانوس ہو جائے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر نہ کھاتے نہ پیتے تو امت کے لیے بھی کھانا پینا جائز نہ ہوتا۔ اس لیے کھایا پیا تاکہ امت کے لیے کھانا پینا جائز ہو جائے اور اگر حضور نہ کھاتے پیتے تو امت کو کھانے پینے کا سلیقہ و طریق کیسے معلوم ہوتا؟ حضور نے کھا کر اور پی کر امت کو کھانے پینے کے طریق سے مانوس کیا۔ آپ کا کھانا پینا گویا تعلیم امت کے لیے ہے۔ آپ کو خود کھانے پینے کی حاجت نہ تھی۔

تعلیم دیکھیے ایک استاد جو خود حافظ قرآن ہے۔ بچے کو قرآن پڑھانے لگتا ہے تو اُسے ہجے کرا کے پڑھاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے الف لام زبر اَلْ۔ ح م زبر حَمْ۔ د پیش دُ۔ اَلْحَمْدُ۔ پہلے استاد ہجے کرتا ہے پھر بچہ۔ اب کوئی بیوقوف استاد اور بچے دونوں کو ہجے کرتے ہوئے دیکھے۔ اور کہہ دے کہ کون کہتا ہے کہ استاد صاحب حافظ قرآن ہیں میں نے تو دیکھا ہے دونوں ہجے کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ دونوں برابر ہیں۔ جیسے بچہ ویسے ہی استاد۔ تو فرمائیے ایسے بیوقوف کو کون سمجھائے کہ تم نے غلط سمجھا ہے۔ استاد صاحب کو تو ہجے کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ وہ تو بچے

کو پڑھانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ اگر وہ خود ہجے نہ کریں تو بچہ یہ ہجے کیسے کر سکے گا اور کیسے پڑھ سکے گا؟

دوسری مثال گونگے آدمی کی ہے۔ گونگے شخص سے چنگا بھلا آدمی بھی گونگا بن جاتا ہے۔ جیسے گونگا اشارے کرتا ہے ویسے ہی وہ آدمی بھی اشارے کرتا ہے تو کیا ان دونوں کو اشارے کرتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا جائے گا کہ یہ دونوں ہی گونگے ہیں؛ اور دونوں ایک سے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ یہ سمجھا جائیگا کہ گونگا تو ایک ہی ہے۔ دوسرا آدمی محض اُسے سمجھانے کے لیے اشارے کر رہا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ادائیں امت کی تانیس اور تعلیم کے لیے ہیں۔ ورنہ حضور کو ان کی کوئی حاجت نہیں۔

لطیفہ ایک تین سالہ چھوٹے بچے کو ماں نے مارا۔ بچہ روتے ہوئے پلنگ کے نیچے جا بیٹھا۔ اس کا باپ گھر آیا۔ تو بچے کے پٹنے کا معلوم کر کے بچے کو پلنگ کے نیچے سے نکالنے کے لیے وہ بھی پلنگ کے نیچے داخل ہوا۔ بچے نے دیکھا کہ ابا جی بھی یہیں آرہے ہیں تو بولا۔ ابا جی! آپ کو بھی امی نے مارا ہے۔

اس نابالغ بچے نے ابا جی کو بھی اپنی مثل پٹا ہوا سمجھا۔ حالانکہ بچہ پلنگ کے نیچے پٹ کر آیا تھا۔ اور اس کا باپ بھی آیا تو پلنگ کے نیچے ہی ہے۔ مگر آیا ہے اُسے وہاں سے نکالنے کو۔ دیکھنے میں تو دونوں پلنگ کے نیچے ہیں۔ مگر وجہ الگ الگ ہے۔ اسی طرح ان پیرانِ نابالغ نے حضور کو کھاتے پیتے دیکھ کر انہیں اپنی مثل سمجھ لیا۔ حالانکہ ہمارے کھانے

پینے کی وجہ اور ہے اور حضور کے کھانے پینے کی وجہ اور۔

مولانا رومی حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔ اور کیا خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

فرمایا، ہم جو کچھ کھاتے ہیں اس کی نجاست بن جاتی ہے اور حضور جو تناول فرماتے ہیں وہ نورِ خدا بن جاتا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے حضور سے عرض کیا۔ یارسول اللہ جب آپ بیت الخلا تشریف لے جاتے ہیں تو میں وہاں کوئی گندگی نہیں دیکھتی۔

اِلَّا کُنْتُ اَشُمُّ رَائِحَۃَ الطِّیْبِ۔

ہاں وہاں سے خوشبو آتے دیکھتی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَمَا عَلِمْتِ اِنَّ اَجْسَادَنَا تَنبتُ عَلٰی اَرْوَاحِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمَا خَرَجَ عَنْھَا مِنْ شَیْئٍ اِبْتَلَعَتْہُ الْاَرْضُ۔

(خصائص کبریٰ۔ صہ ۷۔ ج ۱)

کیا تم نہیں جانتی کہ ہمارے جسم اہل جنت کے ارواح پر پیدا کیے گئے ہیں جو چیز ان سے نکلتی ہے اُسے زمین نگل جاتی ہے۔

دوسرے مقام پر حضور نے یہ بھی فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا براز مبارک زمین نگل جاتی ہے اور وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ

کوئی ہمیں کسی ضعیف روایت ہی سے بتا دے کہ حضور کا براز مبارک کسی نے دیکھا ہو؟

پھر وہ لوگ جن کی گندگیوں کی بدولت اکثر بیماریاں پیدا ہو رہی ہوں۔ حضور کی مثل بننے لگیں تو یہ عقیدہ کیوں گندہ نہ ہوگا؟

نجدیوں کی بیہودیانہ حرکت تفسیر روح البیان عربی زبان میں ایک مشہور، مستند اور معتبر تفسیر ہے۔ اہل علم حضرات کی لائبریریوں کی زینت ہے۔ بڑے بڑے جید علماء اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ علامہ اسمٰعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ اس ایمان افروز تفسیر میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات۔ مسلک حق کی تائید اور نجدیت کی تردید میں ٹھوس مواد ملتا ہے۔ نجدیوں کے اشارے پر مکہ مکرمہ کے مدرسہ کے ایک استاد شیخ محمد علی صابونی نجدی نے روح البیان کی ہر وہ عبارت جس سے ان کے مسلک پر زد پڑتی تھی۔ نکال ڈالی ہے۔ اس قسم کی ساری عبارتیں نکال کر ایک مصنوعی روح البیان شائع کر دی ہے۔ عزیزم محمد افضل بھٹی نے اس سال مجھے وہ مصنوعی روح البیان مکہ معظمہ سے بھیجی ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ان نجدیوں کی اس بیہودیانہ حرکت کا علم ہوا۔ جبریل امین کی یہ حکایت بھی روح البیان سے نکال دی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ساری مخلوق سے پہلے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کی تفسیر میں حضرت امام واسطی کا ارشاد بھی نکال دیا گیا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے

کہ حضور کی بشریت عارضی ہے حقیقی نہیں۔ اصل عبارت آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں اس ارشاد سے بھی چونکہ حضور کی حقیقت کا نور ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ان دشمنانِ نور و محبانِ ظلمت نے اسے بھی اصل کتاب سے اڑا دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو تین نمازیں معاف فرما کر دو نمازوں پر مسلمان کرلیا۔

مسند امام احمد میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں کہ نمازیں صرف دو پڑھوں گا۔ حضور نے منظور فرمایا۔

فَاَسْلَمَ عَلٰی اِنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ اِلَّا صَلَاتَیْنِ فَقَبِلَ ذٰلِکَ مِنْہُ

(مسند امام احمد ص۲۵۔ ج ۵)

پس وہ اس شرط پر مسلمان ہوگیا کہ وہ دو نمازیں ہی پڑھے گا۔

حضور نے اس کی یہ شرط قبول فرمائی۔

اس حدیث سے حضور کا اختیار ثابت ہوتا ہے کہ نمازیں جو پانچ فرض تھیں۔ حضور نے اپنے اختیار سے ان میں سے اس شخص کو تین نمازیں معاف فرمادیں۔ اور دو نمازیں اس کی قبول فرمالیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان نے فیصل آباد سے مجھے ایک خط بھیجا۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ میں نے حیدرآباد

دکن کی مطبوعہ مسند امام احمد خریدی ہے اور ساری چھان ماری ہے مگر دو نمازوں والی حدیث اس میں مجھے نہیں ملی۔ مجھے ارشاد ہوا کہ میں اپنے کتب خانہ کی مسند امام احمد کو دیکھوں۔ حضرت والد ماجد فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بابت ضرور نشاندہی کی ہوگی۔ اگر یہ نشاندہی مل جائے تو میں انہیں لکھوں کہ کونسی جلد اور کونسے صفحہ پر یہ حدیث ہے۔ چنانچہ میں نے مسند امام احمد کو دیکھا تو پانچویں جلد کے بیرونی صفحہ پر حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی نشاندہی مل گئی۔ لکھا تھا کہ یہ حدیث اس جلد کے صفحہ ۲۵ پر ہے میں نے حضرت محدثِ اعظم علیہ الرحمۃ کو پورا حوالہ لکھ دیا۔ حضرت نے جواب دیا ظالموں نے اس حدیث کو اصل کتاب سے نکال دیا ہے۔ نجدیوں نے اتنی بڑی ضخیم کتاب چھاپنے پر صرف یہ حدیث نکال دینے کے لیے اتنا خرچ کرڈالا۔

آٹھ دس سال کا عرصہ ہوا۔ کراچی کے ایک نجدی مکتبہ نے حضور غوث اعظم علیہ الرحمۃ کی غنیۃ الطالبین چھاپی۔ جس میں تراویح کی بیس رکعات کی جگہ آٹھ رکعات لکھ دیا گیا۔ اس تحریف کا راز کھل گیا۔ اخبارات نے اس بیہودیانہ حرکت کے خلاف اداریے لکھے۔ تو پھر انہوں نے بیس رکعات کی ایک چیپی چھاپ کر آٹھ رکعات کے اوپر چسپاں کردی۔

ترکیوں نے روضہ اقدس کی سنہری جالیوں کے اوپر حجرہ مقدسہ کی پیشانی پر یہ آیت لکھی تھی۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا

رَحِیْمًا۔ (پ ۵ ع ۶)

اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تیرے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت شریفہ میں چونکہ گناہ گاروں کو حضور کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہونے کا حکم الٰہی ہے۔ اور خدا سے مغفرت پانے کے لیے حضور کے وسیلہ و شفاعت کی ضرورت کا بیان ہے۔ اس لیے نجدیوں نے حجرہ مقدسہ کی پیشانی سے اس آیت کو مٹا کر اس کی جگہ

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

لکھ دیا ہے۔ میں جب ۱۹۵۴ء میں حج کے لیے گیا تو ترکیوں کی لکھی ہوئی یہ آیت موجود تھی۔ پھر جو ۱۹۶۰ء میں گیا ہوں تو یہ آیت موجود نہ تھی۔ اس کی جگہ

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ

یہ آیت لکھ دی گئی تھی۔ ۱۹۸۵ء میں گیا تو بھی یہی آیت دیکھی۔ یہ ہے ان نجدیوں کی رسول دشمنی۔

قرآن مجید میں تحریف ممکن نہیں۔ ورنہ یہ نجدی وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اس قسم کی ساری آیات قرآن شریف سے بھی نکال دیتے۔ خوب کہا اعلیحضرت نے ؎

ظالمو! محبوب کا حق تھا یہی
عشق کے بدلے عداوت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

حکایت نمبر ۲

خلیل و جبریل

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نمرود نے جب آگ میں پھینکا تو جبریل فوراً حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا، حضور! اللہ سے کہیے۔ آپ کو وہ اس آتشکدہ سے بچا لے۔

آپ نے فرمایا۔ اپنے جسم کے لیے اتنی بلند و بالا ہستی سے یہ معمولی سا سوال کروں۔

جبریل نے عرض کیا۔ تو اپنے دل کے بچانے کے لیے ہی کہیے۔

فرمایا۔ یہ دل اسی کے لیے ہے وہ اپنی چیز سے جو چاہے سلوک کرے۔

جبریل نے عرض کیا۔ حضور! اتنی تیز آگ سے آپ ڈرتے کیوں نہیں؟

فرمایا۔ اے جبریل! یہ آگ کس نے جلائی؟

جبریل نے جواب دیا۔ نمرود نے۔

فرمایا۔ اور نمرود کے دل میں یہ بات کس نے ڈالی؟

جبریل نے جواب دیا۔ ربِ جلیل نے۔

خلیل نے فرمایا۔ تو پھر ادھر حکمِ جلیل ہے تو ادھر رضائے خلیل ہے۔

(نزہتہ المجالس۔ صہ ۲۰۴۔ ج ۲)

سبق نزہتہ المجالس کی اس روایت سے قبل یہ بھی ہے کہ نمرودیوں نے جب حضرت خلیل علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکنا چاہا تو زمین و آسمان اور فرشتے کانپ اٹھے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کرنے لگے الٰہی! یہ لوگ تیرے خلیل کو آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ جب کہ ان کے سوا زمین میں ایک شخص بھی تیری عبادت کرنے والا نہیں۔ ہمیں اجازت دے تاکہ ہم ان کی مدد کریں۔ خدا نے فرمایا۔ وہ میرا خلیل ہے۔ اس کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں۔ اور میں اس کا الٰہ ہوں۔ میرے سوا اس کا کوئی الٰہ نہیں اگر وہ تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو۔ اور اگر وہ میرے سوا تم سے مدد نہ چاہے تو میرے اور میرے خلیل کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میں جانوں یا میرا خلیل پھر پانیوں کا فرشتہ حضرت خلیل کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہا۔ اگر آپ چاہیں تو میں پانی سے یہ ساری آگ بجھا دوں۔ پھر ہوا کا فرشتہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں یہ ساری آگ ہوا سے بکھیر دوں۔

حضرت خلیل نے فرمایا۔ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں۔ میرا اللہ مجھے کافی ہے۔ پھر جبریل حاضر ہوئے۔ اور یہی عرض کیا۔ کہ کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ فرمایا تم سے کوئی حاجت نہیں۔ اس کے بعد جبریل نے عرض کیا کہ حضور! پھر اللہ سے کہیے تو حضرت خلیل علیہ السلام نے وہ جواب دیا جو حکایت کے شروع میں موجود ہے۔

مقام تسلیم و رضا حضرت خلیل علیہ السلام تسلیم و رضا کے ایسے بلند مقام پر فائز تھے جہاں ان کی نظر صرف خدا کی رضا پر تھی۔ خدا کی مرضی کے سامنے ان کی اپنی کوئی مرضی تھی ہی نہیں۔ اسی لیے انہوں نے فرشتوں سے مدد چاہنے سے انکار کر دیا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ خدا کے سوا کسی مقبول بندے سے مدد چاہنا شرک ہے۔ اگر کوئی یوں سمجھ بیٹھے اور کہنے بھی لگے تو ہم پوچھیں گے کہ کیا اس لیے شرک ہے کہ خدا کے مقبول بندے مدد کر نہیں سکتے۔ اگر کہا جائے کہ ہاں! تو ہم پوچھیں گے کہ پھر فرشتوں نے کیا خدا سے جھوٹ کہا۔ کہ الٰہی ہمیں اجازت دے تاکہ ہم ان کی مدد کریں۔ پانی و ہوا کے فرشتوں نے بھی حضرت خلیل سے جھوٹ کہا کہ آپ چاہیں تو ہم یہ آگ پانی و ہوا سے بجھا دیں۔ اور جبریل نے بھی ایسے ہی کہہ دیا۔ کہ کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ اگر وہ واقعی مدد نہیں کر سکتے تھے تو خدا تعالیٰ سے جب انہوں نے کہا الٰہی تو ہمیں اجازت دے تاکہ ہم ان کی مدد کریں۔ خدا نے انہیں کیوں نہ فرمایا کہ تم کیسے مدد کر سکو گے جب کہ تم مدد کر ہی نہیں سکتے۔ فرمایا تو یہ فرمایا کہ وہ اگر تم سے مدد چاہے تو اس کی مدد کرو۔ گویا حضور نے ظاہر

فرمایا کہ میری عطا سے تم مدد کر تو سکتے ہو مگر میرا خلیل تم سے مدد چاہے گا نہیں۔ اسی طرح پانی دہوا کے فرشتوں کو بھی مدد کرنے کی خدا داد طاقت تھی مگر خلیل علیہ السلام نے مدد چاہی ہی نہیں۔ جبریل امین کو بھی حاجت روائی کی خدا داد طاقت تھی مگر حضرت خلیل نے ان سے بھی مدد چاہی ہی نہیں۔

اگر کہا جائے کہ وہ مدد کر تو سکتے ہیں مگر ان سے مدد چاہنا شرک ہے تو ہم کہیں گے کہ فرشتوں نے خدا سے کیا اس امر کی اجازت طلب کی تھی کہ الٰہی ہمیں حضرت خلیل سے شرک کا ارتکاب کرانے کی اجازت دے اور پانی دہوا کے فرشتوں اور جبریل نے بھی حضرت خلیل سے شرک کا ارتکاب کرنے کی درخواست کی تھی (معاذاللہ)

بات دراصل یہ ہے کہ خدا کے مقبول بندوں میں مدد کرنے کی خدا داد طاقت بھی تھی اور حضرت خلیل ان سے مدد چاہ بھی سکتے تھے۔ مگر اس وقت وہ تسلیم و رضا کے ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ فرشتوں سے مدد چاہنے کو اگر اس وقت وہ تسلیم و رضا کے خلاف سمجھ رہے تھے تو خود خدا سے بھی مدد طلب فرمانے کو وہ تسلیم و رضا کے منافی جانتے ہوئے یوں فرما رہے تھے کہ

ادھر حکم جلیل ہے تو ادھر رضائے خلیل ہے

؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لیے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیِ خدا

حکایت نمبر ۳

جبریل کا اسپ حیات

بنی اسرائیل میں سامری نام کا ایک سنار تھا۔ یہ قبیلہ سامرہ کی طرف منسوب تھا اور یہ قبیلہ گائے کی شکل کے بت کا پجاری تھا۔ سامری جب بنی اسرائیل کی قوم میں آیا تو ان کے ساتھ بظاہر یہ بھی مسلمان ہوگیا۔ مگر دل میں گائے کی پوجا کی محبت رکھتا تھا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل دریا سے پار ہوئے اور بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے لیے بھی ایک بت کی طرح کا خدا بنانے کی درخواست کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر ناراض ہوئے سامری موقعہ کی تلاش میں رہنے لگا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لانے کے لیے کوہِ طور پر گئے تو موقعہ پاکر سامری نے بہت سا زیور پگھلا کر سونا جمع کیا اور اس سے ایک گائے کا بت تیار کیا اور پھر اس نے کچھ خاک اس گائے کے بت میں ڈالی تو وہ گائے کے بچھڑے کی طرح بولنے لگا اور اس میں جان پیدا ہوگئی۔ سامری نے بنی اسرائیل میں اس بچھڑے کی پوجا شروع کرادی۔ اور بنی اسرائیل اس بچھڑے کے پجاری بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے واپس تشریف لائے تو قوم کا یہ حال دیکھ کر بڑے غصے میں آگئے اور سامری سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ سامری نے بتایا کہ میں نے دریا سے پار ہوتے وقت جبریل کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا

کہ جبریل کے گھوڑے کے قدم جس جگہ پر پڑتے ہیں وہاں سبزہ اگ آتا ہے۔ میں نے اس گھوڑے کے قدم کی جگہ سے کچھ خاک اٹھائی اور وہ خاک میں نے بچھڑے کے بت میں ڈال دی۔ تو یہ زندہ ہو گیا۔ اور مجھے یہی بات اچھی لگی۔ میں نے جو کچھ کیا اچھا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا جا تو دور ہو جا اب اس دنیا میں تری سزا یہ ہے کہ تو ہر ایک سے یہ کہے گا کہ مجھے چھُو نہ جانا یعنی تیرا یہ حال ہو جائے گا کہ تو کسی شخص کو اپنے قریب نہ آنے دے گا چنانچہ اس کا واقعی یہ حال ہو گیا کہ جو کوئی اس سے چھُو جاتا تو اس چھونے والے کو اور سامری کو بھی سخت بخار ہو جاتا اور انہیں بڑی تکلیف ہوتی۔ اسی لیے سامری چیخ چیخ کر لوگوں سے کہتا پھرتا کہ میرے ساتھ کوئی نہ لگے اور لوگ بھی اس سے اجتناب کرتے تاکہ اس سے لگ کر بخار میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اسی دنیا کے عذاب میں گرفتار ہو کر سامری بالکل تنہا رہ گیا اور جنگل میں چلا گیا اور بڑا ذلیل ہو کر مرا۔ (قرآن مجید پ۱۶ ع ۱۴، روح البیان صفحہ ۵۹۹ جلد ۲

زیر آیت بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ)

سبق جبریل کے گھوڑے کے قدموں کی یہ شان ہے کہ جہاں وہ پڑتے ہیں وہاں سبزہ اگ آتا ہے۔ گویا اس مٹی میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے ایسے قدموں والا گھوڑا وہ ہے جو جبریل کی سواری کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور جبریل وہ ہیں جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا یہ ساری برکتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔

رونے والا ستون

حضور کو خدا نے یہ شان عطا فرمائی ہے کہ آپ نے کھجور کے کٹے ہوئے ایک تنا سے اپنی پشت مبارک لگائی تو اس میں زندگی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ احادیث میں حضور کے اس اعجاز کا ذکر موجود ہے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہوئی تو ابتدا میں کوئی منبر نہ تھا۔ کھجور کا کٹا ہوا ایک تنا مسجد میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ کھجور کے اس خشک تنا کے ساتھ تکیہ لگا کر دیا کرتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! آپ کے لیے منبر نہ تیار کر لیا جائے؟ فرمایا۔ تم چاہتے ہو تو تیار کر لو۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے لیے تین سیڑھی کا منبر تیار کیا۔ پھر جب جمعہ کا دن آیا۔ تو حضور اس پر رونق افروز ہو کر خطبہ دینے لگے۔ اور وہ خشک تنا حضور کے تکیہ لگانے کے شرف سے محروم ہو گیا۔

فَصَاحَتِ النَّخْلَۃُ صِیَاحَ الصَّبِیِّ (بخاری شریف ص۵۰۶ ج ۱)

وہ کھجور کا تنا بچوں کی طرح رونے لگا۔

فَسَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ۔

اس تنا سے حاملہ اونٹنی کی سی رونے کی آواز آتی تھی جو ہم نے سنی۔ (بخاری شریف ص۵۰۷ ج ۱)

صحابہ کرام حیران ہوئے کہ کھجور کے خشک تنا سے رونے کی آواز آرہی ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حَنَّتِ الْخَشَبَةُ فَاَقْبَلَ النَّاسُ عَلَيْهَا حَتّٰى كَثُرَ بُكَاؤُهُمْ۔
(خصائص کبریٰ ص۷۶۔ ج ۲)

جب وہ تنا رونے لگا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور صحابہ کرام بھی رونے لگے۔

شاعر نے فرمایا۔

ستون کی دیکھ کر حالت صحابہ سر بسر روئے
تمامی حاضرینِ مجلس خیر البشر روئے
رلائے جب کہ چوب خشک کو آقا کی ہجوری
کہو پھر عینِ فطرت سے نہ کیونکر ہر بشر روتے

اس خشک تنا کو روتے ہوئے دیکھا تو صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ کر

ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهَا اِلَيْه

پھر حضور منبر سے اترے اور اس تنا کو آغوش میں لے لیا۔

فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهَا فَسَكَتَتْ (بخاری شریف ص۵۰۶۔ ج ۱)

پھر اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ چپ ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں اس کو تسلی نہ دیتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین) ص۴۴۸

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء موتیٰ سے بھی زیادہ عجیب و افضل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ایک ایسے مردہ جسم میں جس میں پہلے روح موجود تھی۔ دوبارہ اس روح کو اس میں داخل کر دیتے تھے۔ بے شک یہ ایک عظیم معجزہ ہے مگر اس سے بھی عظیم تر یہ معجزہ ہے کہ ایک خشک لکڑی جس میں نہ حیات تھی نہ اس میں یہ صلاحیت کہ اس میں روح داخل ہو سکے۔ حضور کے اعجاز سے زندہ ہو گئی اور اس میں انسانی صفات پیدا ہو گئیں۔ اس کا رونا چلانا اور فراقِ حضور کا برداشت نہ کر سکنا۔ اور جو اُسے حضور کے تکیہ لگانے کا شرف حاصل تھا۔ اس سے محرومی کا احساس اور اسی احساس میں رونا۔ یہ سب صفات ایک لکڑی میں پیدا کر دینا یہ ہمارے حضور ہی کا معجزہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کھجور کے خشک تنا سے فرمایا۔

اُسْكُنْ اِنْ تَشَاءُ اَغْرِسُكَ فِي الْجَنَّةِ فَيَاكُلُ مِنْكَ الصَّالِحُوْنَ وَاِنْ تَشَاءُ اَنْ اُعِيْدَكَ رَطْبًا كَمَا كُنْتَ فَاخْتَارَ الْآخِرَةَ (خصائص کبریٰ ص۷۶۔ ج ۲)

چپ ہو جا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں تو خدا کے نیک بندے تمہارا پھل کھائیں۔ اور اگر چاہو تو جیسے تم پہلے تھے ویسے ہی تمہیں کھجور کا سرسبز درخت بنا دوں۔ اُس نے آخرت کو پسند کیا۔

دیکھیے ہمارے حضور کی شان کہ ایک خشک لکڑی سے گفتگو فرما

رہے ہیں اور اس کی مرضی پوچھ رہے ہیں۔ اور یوں فرما رہے ہیں کہ اگر کہو تو میں تمہیں جنتی درخت بنا دوں۔ کہو تو پھر پہلے جیسا کھجور کا سرسبز درخت بنا دوں "میں بنا دوں"، گویا میں مختار ہوں۔ جو چاہو گے میں کر دوں گا۔ اب پڑھیے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی یہ تحریر کہ۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان ص۴۷)

مولوی اسمٰعیل سے تو کھجور کا خشک تنا ہی خوش نصیب ثابت ہوا۔ اور اچھا رہا جو حضور کا اختیار تسلیم کرتے ہوئے جنت کا درخت بن گیا۔

درخت کا شعور

ایک اعرابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے کوئی نشانِ نبوت دکھایئے۔ فرمایا تو کیا نشان چاہتا ہے۔ کہنے لگا۔ اُس درخت کو اپنے پاس بلایئے۔ فرمایا جا تو ہی اس درخت سے کہہ کر تمہیں اللہ کا رسول بلاتا ہے۔ چنانچہ اس اعرابی نے جاکر اس درخت سے کہا کہ تمہیں اللہ کا رسول بلاتا ہے۔

فَمَالَتْ عَنْ جَوَانِبِهَا وَ قَطَعَتْ عُرُوْقُهَا حَتّٰی اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ (خصائص کبریٰ۔ ص۳۵ ج ۲)

درخت ہلا اور اپنی جڑیں زمین سے نکالیں۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِرْجِعِیْ فَرَجَعَتْ فَجَلَسَتْ عَلٰی عُرُوْقِہَا

واپس چلے جاؤ۔ درخت اپنی جگہ چلا گیا۔ (حوالہ مذکور)

یہ حضور کا فیض ہے کہ درخت کو قوت سماعت مل گئی اور وہ حضور کا حکم سن کر چل پڑا۔ پھر اُسے شعور بھی عطا فرما دیا درخت چلا۔ تو پیچھے کی جانب یا دائیں بائیں نہیں چلا۔ بلکہ جس طرف حضور تشریف فرما تھے اُس طرف چلا۔ اور سیدھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

یہ معجزہ دیکھ کر اعرابی مسلمان ہو گیا۔

کنکروں میں زندگی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں ہاتھ میں اٹھائیں۔

فَسَبَّحْنَ حَتّٰی سَمِعْنَا التَّسْبِیْحَ (خصائص کبریٰ ص۷، ج۲)

تو یہ کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں اور ان کی آواز ہم نے سنی۔

معلوم ہوا کہ جبریل امین کو یہ کمال کہ ان کے گھوڑے کے قدم جہاں پڑیں وہاں آثارِ زندگی پیدا ہو جائیں حضور ہی کے صدقہ میں حاصل ہوا۔

اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے خوب لکھا ہے ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

گائے کے پجاری

سامری سنار جس قبیلہ کا فرد تھا وہ قبیلہ گائے کا پجاری تھا۔ چنانچہ سامری نے بھی گائے کا بت بنا کر بنی اسرائیل کو گائے کا پجاری بنا دیا۔ آج بھی بھارت کے ہندو گائے کے

پجاری ہیں اور گائے کو اپنا دیوتا مانتے ہیں۔ یہ گائے ہندوؤں کا خدا ہے اور مسلمانوں کی غذا ہے۔ تو ہم جب ان کے خدا کو کھا جاتے ہیں انہیں ہم کب چھوڑیں گے؟

۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارے سیالکوٹ چونڈہ محاذ پر ان بھارتی لالاؤں کو جو عبرتناک شکست ہوئی تھی اس کے متعلق اُن دنوں میں نے ایک نظم لکھی تھی جو ماہِ طیبہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دو شعر یہ ہیں ؎

لرزے میں آئی چوٹی ڈھیلی پڑی لنگوٹی
لالے کے سامنے جب آیا سیالکوٹی
اے گائے کے پجاری تو مجھ سے بچ سکے گا
تیرے دیوتا کی جب کہ چھوڑی نہ میں نے بوٹی

حکایت نمبر ۴

جبریلؑ کا استفتاء

ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام فرعون کے پاس ایک استفتا لائے جس کا مضمون یہ تھا۔

بادشاہ کا کیا حکم ہے ایسے غلام کے حق میں جس نے ایک شخص کے مال و نعمت میں پرورش پائی۔ پھر اس کی ناشکری کی۔ اور اس کے حق کا منکر ہو گیا اور خود ہی مولیٰ ہونے کا مدعی بن بیٹھا۔

اس پر فرعون نے یہ جواب لکھا کہ۔

جو نمک حرام غلام اپنے آقا کی نعمتوں سے پل کر آقا کا انکار کر دے اور اس کے مقابل آ کر خود ہی آقا بن بیٹھے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اُسے دریا میں ڈبو کر ہلاک کر دیا جائے۔

چنانچہ فرعون جب خدا کی گرفت میں آ کر خود دریا میں ڈوبنے لگا تو حضرت جبریل نے اس کا وہی فتویٰ اس کے سامنے کر دیا۔ فرعون اپنا ہی فتویٰ دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اپنے ہی فتویٰ کے مطابق غرق ہو گیا۔ (خزائن العرفان ص۳۱۱)

سبق عناصر اربعہ آگ۔ پانی۔ مٹی۔ ہوا۔ انسان کے خادم ہیں۔ مگر انسان جب تکبر و غرور اختیار کر لے اور اپنے پروردگار کا منکر ہو جاتے تو یہی خادم اس کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ پانی جو انسان کے نہانے دھونے اور پینے وغیرہ کے کام آتا ہے۔ انسان متکبر و منکر ہو جائے تو اس کے لیے موجب عذاب بن جاتا ہے۔ وہی پانی جسے انسان پی جاتا تھا اب وہ انسان کو پینے لگتا ہے۔ جو انسان کے لیے موجبِ حیات تھا اب اس کے لیے موجبِ ہلاکت بن جاتا ہے۔ عناصر اربعہ جو انسان کے خادم ہیں ان میں سے کسی ایک سے متکبر انسان کو ہلاک کرا دینا ایسے ہی ہے جیسے کوئی باپ انتہائی نالائق۔ نافرمان بیٹے کو اپنے نوکر سے پٹوائے۔

حکایت نمبر ۵

جبریلؑ کی رفتار

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا۔ اے جبریل! کبھی تجھے آسمان سے مشقت کے ساتھ بڑی جلدی اور فوراً بھی زمین پر اترنا پڑا ہے؟ جبریل نے جواب دیا۔ ہاں یا رسول اللہ! چار مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مجھے بڑی سرعت کے ساتھ فوراً زمین پر اترنا پڑا۔

حضور نے فرمایا۔ وہ چار مرتبہ کس کس موقعہ پر؟

جبریل نے عرض کیا۔

(۱) ایک تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو میں اس وقت عرشِ الٰہی کے نیچے مقام سدرۃ المنتہیٰ پر تھا۔ مجھے حکم ہوا۔ جبریل میرے خلیل کے آگ میں پہنچنے سے پہلے فوراً میرے خلیل کے پاس پہنچو۔ چنانچہ میں بڑی سرعت کے ساتھ قبل اس کے کہ وہ آگ میں پہنچتے۔ ان کے پاس پہنچ گیا۔

(۲) دوسری بار جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن اطہر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ذبح کرنے کی خاطر چھری رکھی تو مجھے حکم ہوا کہ چھری چلنے سے پہلے ہی زمین پر پہنچو اور چھری کو الٹا کر دو۔ چنانچہ میں چھری چلنے سے پہلے ہی زمین پر پہنچ گیا۔ اور چھری کو چلنے نہ دیا۔

(۳) تیسری مرتبہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں گرایا تو مجھے حکم ہوا کہ میں یوسف علیہ السلام کے کنوئیں کی تہ تک پہنچنے سے پہلے زمین پر پہنچوں۔ اور کنوئیں سے ایک پتھر نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس پتھر پر بٹھا دوں۔ چنانچہ میں فوراً پہنچا اور قبل اس کے کہ یوسف علیہ السلام کنوئیں کی تہ تک پہنچتے میں نے اپنے پروں پر انہیں اٹھا کر کنوئیں کے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔

(۴) اور چوتھی مرتبہ یا رسول اللہ جب کافروں نے حضور کے دندانِ مبارک کو شہید کیا تو مجھے حکم الٰہی ہوا کہ جبریل! فوراً زمین پر پہنچو اور میرے محبوب کے دندان مبارک کا خون زمین پر نہ گرنے دو۔ زمین پر گرنے سے پہلے ہی وہ خون اپنے ہاتھوں پر لے لو۔ اور اے جبریل! اگر میرے محبوب کا یہ خون زمین پر گر گیا تو قیامت تک زمین سے نہ کوئی سبزی اُگے گی نہ کوئی درخت۔ چنانچہ میں بڑی سرعت کے ساتھ زمین پر پہنچا اور حضور کے خون مبارک کو ہاتھوں پر لے کر ہوا میں اڑا دیا۔

(روح البیان ص۲۱۳ ج ۴ زیر تفسیر
یٰاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا)

سبق زمین سے آسمان کتنی دور ہے؟ اس کا جواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیے۔ فرمایا۔

بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهَا خَمْسُمِائَةِ عَامٍ۔

تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

اور پھر ساتویں آسمان تک ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی ہی مسافت
بیان فرمائی اور فرمایا۔

سَمَاءٌ اِنْ بُعْدُ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ۔

دو آسمانوں کے درمیان کی دوری پانچ سو سال کی مسافت کی ہے

اور یہ بھی فرمایا کہ۔

مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَائَيْنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی ہی دوری ہے جتنی زمین و
آسمان کے درمیان۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۰۲)

زمین سے پہلا آسمان پانچ سو سال تک کی مسافت کے برابر دور ہے
پھر پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت اسی
طرح ساتویں آسمان تک پانچ پانچ سو سال تک کی مسافت ہے۔ ساتویں
آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہٰی ہے۔ اور سدرۃ المنتہٰی مقام جبریل ہے جہاں
شب معراج وہ حضور کی معیت میں پہنچے تو آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور
عرض کیا کہ میں یہیں تک آسکتا تھا۔ آگے اگر بال بھر بڑھا تو انوارِ تجلیات
سے میرے پر جل جائیں گے۔ چنانچہ آگے صرف حضور ہی تشریف لے گئے۔

زمین سے سورج کتنا دور ہے؟

یہ تو تھی زمین سے آسمان کی اور ساتوں آسمانوں کے اوپر
سدرۃ المنتہٰی کی دوری۔ اب آیئے دیکھیں زمین سے یہ سورج کتنی دور
ہے۔

موجودہ سائنس بتاتی ہے کہ۔

سورج ہم سے صرف نو کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہے۔ اور ایک
لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کی روشنی
ہم تک ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔

(سیارہ ڈائجسٹ لاہور شمارہ اگست ۱۹۶۹ء)

سورج ہم سے نو کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہے۔ مگر سدرۃ المنتہٰی کی دوری
کا اندازہ لگایئے تو کئی نو کروڑ میل بھی کم پڑ جائیں گے اور کھربوں میل بن جائیں گے
نو کروڑ ۳۰ لاکھ میل سے روشنی زمین پر ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔ مگر سورج سے
بھی کروڑوں میل دور سدرۃ المنتہٰی سے جبریل کتنی دیر میں زمین پر پہنچے ؟
خلیل علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے ہی آگ میں پہنچنے سے پہلے۔ اسماعیل
علیہ السلام کی گردن پر چھری رکھتے ہی پھرنے سے پہلے۔ یوسف علیہ السلام
کو کنوئیں میں پھینکتے ہی تہ تک پہنچنے سے پہلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
خون مبارک نکلتے ہی زمین پر گرنے سے پہلے وہ زمین پر پہنچ گئے۔ اور حضرت
خلیل کو اپنے پروں پر اٹھا لیا۔ حضرت اسمعیل کی گردن پر پھرنے والی چھری
کو الٹا کر دیا۔ یوسف علیہ السلام کو اپنے پروں پر لے لیا۔ اور حضور علیہ السلام
کا خون مبارک اپنے پروں پر لے لیا۔

سورج سے روشنی ۸ منٹ میں زمین پر پہنچی اور جبریل سدرۃ المنتہٰی
سے لمحہ بھر میں آنکھ جھپکتے ہی زمین پر پہنچ گئے۔ یہ ہے رفتارِ جبریل کہ
یہاں سائنس بھی دم بخود ہے۔ اور جبریل وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ خادم کی یہ شان ہے اور آقا تو وہ ہیں رع۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر

پھر ان کا شب معراج فرش سے آناً فاناً عرش پر جانا اور واپس بھی اسی شان سے ہونا کہ زنجیر در ہل رہی تھی وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر مبارک گرم تھا کیوں قابل تسلیم و تصدیق نہ ہو؟

خدا کی مدد مقبول بندوں کی وساطت سے

حضرت ابراہیم
حضرت اسمٰعیل

حضرت یوسف اور ہمارے حضور علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ مدد اللہ نے فرمائی تو جبریل کی وساطت سے فرمائی۔ خدا کے اذن سے وہ مدد کرنے آئے اور مدد کی۔ گویا خدا تعالیٰ کے مقبول بندے سے جاری جو مدد فرماتے ہیں۔ وہ دراصل خدا ہی کی مدد ہوتی ہے۔ مگر ہوتی وہ ان اللہ والوں کی وساطت سے ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس موقعہ پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے میدان احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دندان مبارک شہید ہوا یہ بات نہیں کہ آپ کا دانت مبارک اکھڑ گیا اور نکل گیا ہرگز نہیں۔ ایک دانت بھی اگر نکل جاتے تو یہ ایک عیب اور نقص ہے جس سے منہ کا حسن قائم نہیں رہتا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب و نقص سے پاک اور منزہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے جو محدثین کرام نے لکھی ہے کہ دانت مبارک کی دائیں جانب کا تھوڑا سا کنارہ ٹوٹا تھا اور نیچے کا ہونٹ

مبارک زخمی ہو گیا تھا جس سے خون مبارک نکلا۔

(مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ صہ ۵۱۵ اور بخاری شریف حاشیہ صہ ۵۸۳ ج ۲)

دانت مبارک کا کنارہ توڑنے والے اور ہونٹ مبارک کو زخمی کرنے والے کا نام عتبہ ابن ابی وقاص تھا، اُسے اس جرم کی سزا یہ ملی کہ۔

لَمْ یُوْلَدْ مِنْ نَسْلِہٖ وَلَدٌ یَبْلُغُ الْحِنْثَ اِلَّا وَھُوَ الْجَزَارِیْ مَکْسُوْرَا الثَّنِیَایا۔

(مواہب لدنیہ صہ ۹۵ ج ۱)

اس کی نسل میں جو بھی بچہ پیدا ہوتا تھا اور جب وہ بڑا ہوتا تھا تو اس کے دانت ہی پیدا نہ ہوتے تھے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے ؎

گستاخیٔ رسول سے اللہ کی پناہ
دنیا و دین ہوتے ہیں اس جرم سے تباہ

حکایت نمبر ۶

جبریل اور مریم علیہما السلام

حضرت مریم علیہا السلام ایک روز اپنے مکان میں الگ بیٹھی تھی کہ آپ کے پاس جبریل امین ایک تندرست آدمی کی شکل میں آئے۔ مریم نے جو ایک

غیر آدمی کو اپنے پاس موجود دیکھا۔ تو فرمایا تم کون ہو۔ اور یہاں کیوں آئے؟ دیکھو خدا سے ڈرنا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ جبریل نے کہا۔ ڈرو مت میں تو اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ (پ ۱۶ ع ۵)

اور اس لیے آیا ہوں "کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔" مریم بولیں۔ بیٹا میرے ہاں کہاں سے ہوگا کہ میں ابھی بیاہی ہی نہیں گئی اور کسی آدمی نے مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اور میں کوئی بدکار عورت بھی نہیں ہوں۔ جبریل بولے۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر رب نے فرمایا ہے کہ باپ کے بغیر بھی بیٹا دینا میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ یہ بات بھی میرے لیے آسان ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے یہاں بغیر باپ کے بیٹا پیدا کر کے اپنی رحمت کا اور لوگوں کے لیے ایک نشانی کا مظاہرہ کریں اور یہ کام ہو کر ہی رہے گا۔ حضرت مریم یہ بات سن کر مطمئن ہو گئیں۔

فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (پ ۱۷۔ ع ۶)

پھر خدا تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ سے مریم میں ایک خاص روح پھونکی۔" تو مریم اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ ۱۷ ع ۶)

اور اللہ تعالیٰ نے مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو سارے جہان والوں کے لیے نشانی بنایا۔"

(قرآن کریم پ ۱۶ ع ۵۔ پ ۱۷ ع ۶)

سبق اللہ تعالیٰ نے دائرہ نبوت کو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا۔ اور اس دائرہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم فرمایا اور ہمارے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو دائرۂ نبوت کے تمام خطوط کا منتہیٰ اور مرکزی نقطہ بنایا۔ نبوت کے لیے ضروری ہے کہ صاحب نبوت عورت نہ ہو۔ مرد ہو۔ عورت نبی نہیں بن سکتی۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا (پ ۱۳۔ ع ۶)

"اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے۔"

اس لیے دائرۂ نبوت کو مرد سے شروع کیا اور فقط مرد سے فقط عورت کو پیدا کیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوّا کو پیدا کیا۔ اور جب دائرۂ نبوت کو ختم کیا تو فقط عورت سے فقط مرد کو پیدا کیا۔ یعنی حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تاکہ دائرۂ نبوت کی ابتداء اور انتہاء دونوں متناسب ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ۔ (پ ۳۔ ع ۱۴)

"یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی شان آدم علیہ السلام جیسی ہے۔"

حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر میں چونکہ مٹی شامل تھی۔ اس لیے ان کو آسمان سے زمین پر اتارا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخۂ جبریل سے پیدا ہوئے اس لیے ان کو زمین سے آسمان پر اٹھایا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی شان آدم جیسی ہے خوب ثابت ہوئی۔

Scanned with CamScanner

آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ مراد روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخۂ جبریل سے پیدا ہوئے۔ جسمانی حیثیت سے حضرت مسیح کا تعلق حضرت مریم سے ہے اور روحانی حیثیت سے افضل الملائکہ جبریل امین سے ہے۔ صورت اگرچہ بشری اور انسانی ہے مگر آپ کی فطرت اور اصلی حقیقت ملکی اور جبریلی ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ
اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ۔ (پ ۶۔ع ۴)

مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا۔ اور اس کے یہاں کی ایک روح۔

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا ایک کلمہ بھی ہیں۔ جس طرح کلمہ میں ایک لطیف معنی مستور ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک میں ایک نہایت لطیف شئی یعنی حقیقت ملکیہ مستور اور مخفی ہے۔

چونکہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رُوْحٌ مِّنْہُ بھی فرمایا ہے اور روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس شے سے وہ ملتی ہے۔ اس کو زندہ کر دیتی ہے اس لیے آپ کو مردوں کو زندہ کر دینے کا معجزہ عطا کیا گیا اور چونکہ آپ کی ولادت میں نفخۂ جبریل کو دخل تھا۔ جیسے کہ فرمایا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے اس میں اپنی ایک خاص روح بذریعہ نفخۂ جبریل پھونکی" اس لیے فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ "میں اس میں پھونک مارتا ہوں۔ پس وہ باذن اللہ پرندہ ہو جاتا ہے" کا معجزہ آپ کو عطا ہوا۔

پس جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کی اصلی فطرت ملکی ہے۔ اور آپ کا اصل تعلق جبریل اور ملائکہ سے ہے اور دوسرا تعلق آپ کا حضرت مریم سے ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ دونوں قسم کا تعلق معرض ظہور میں آئے اور کچھ حصہ حیات کا ملائکہ کے ساتھ گزرے اور کچھ حصہ زندگی کا بنی نوع انسان کے ساتھ۔

دستور یہ ہے کہ اگر ولادت اتفاقاً بجائے وطن اصلی کے وطن اقامت میں ہو جاتی ہے تو چند روز کے بعد وطن اصلی میں بچے کو ضرور لے جاتے ہیں تاکہ وہ بچہ اپنے وطن اصلی کی زیارت سے محروم نہ رہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت نفخۂ جبریل سے ہوئی ہے۔ اس لیے اگر ملائکہ کے مقام یعنی آسمانوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وطن کہا جائے تو کچھ غیر مناسب نہ ہو گا مگر جسمانی حیثیت سے موت طبعی کا آنا بھی لازمی تھا اس لیے آپ کے لیے نزول من السماء مقدر ہوا۔ اور چونکہ رفع الی السماء فطرت ملکی اور تشبہ بالملائکہ کی بنا پر تھا۔ اس لیے قبل الرفع آپ نے نکاح بھی نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ملائکہ میں طریق ازدواج نہیں۔ اور نزول چونکہ جسمانی و بشری تعلق کی بنا پر ہو گا۔ اس لیے بعد از نزول نکاح بھی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہو گی اور وفات پا کر روضہ اقدس میں بچی ہوئی جگہ میں دفن ہوں گے۔

اور چونکہ آپ کی ولادت نفخۂ جبریل سے ہوئی۔ اور حضرت جبریل کا عروج اور نزول قرآن میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ (پ ۲۹۔ع ۷)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ ۔ (پ ۳۰ ۔ ع ۲۲)

"یعنی فرشتے اور روح (جبریل) آسمان پر جاتے ہیں۔ فرشتے اور روح (جبریل) آسمان پر سے اترتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم ایک مرتبہ آپ کے لیے بھی عروج الی السماء اور نزول ہو۔ تاکہ آپ کی فطرت کا ملکی ہونا اور نفخۂ روح القدس سے پیدا ہونا اور ظلِ جبریل ہونا خوب عیاں ہو جائے بلکہ جس طرح حضرت جبریل کو روح کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا ہے۔

كَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۔

(پ ۶ ۔ ع ۳)

پس جس طرح روح یعنی جبریل کے لیے عروج و نزول ثابت کیا گیا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی جو کہ خدا کی ایک خاص روح ہیں عروج و نزول ہونا چاہیے۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سراپا روح کہا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ فیہ روحٌ یعنی اس میں روح ہے۔ اس لیے یہود آپ کے قتل پر قادر نہ ہوئے۔ اس لیے کہ روح کا قتل کسی طرح ممکن نہیں۔ نیز آپ کی شان كَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ ذکر کی گئی ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۔

(پ ۲۲ ۔ ع ۱۴)

یعنی اسی کی طرف کلمات طیبات چڑھتے ہیں اور وہی عمل صالح

کو بلند کرتا ہے۔"

اس لیے آپ کا رفع الی السماء اور بھی مناسب ہوا۔ اس حکایت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ثابت ہو گیا۔

نور لباس بشریت میں

اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہوتی کہ جبریل علیہ السلام ایک نورانی مخلوق ہونے کے باوجود حضرت مریم کے پاس لباس بشریت میں ایک تندرست آدمی کی شکل میں آئے۔ خدا نے بھی آپ کے لیے بشر کا لفظ اختیار فرمایا۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔

یعنی وہ حضرت مریم کو ایک بشر کی شکل میں نظر آئے۔ باوجود اس کے وہ تھے نور ہی۔ ان کا بشکل بشر نظر آنا ان کے نور ہونے کے منافی نہیں۔ اگر کوئی نادان جبریل کی اس صورت کے پیش نظر ان کو اپنی مثل بشر کہنے لگے تو وہ انتہائی جاہل اور گمراہ ہوگا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سراسر نور بلکہ منبع النور ہیں، ہمارے پاس لباس بشریت میں تشریف لائے تو آپ کا بشکل بشر تشریف لانا آپ کے نور ہونے کے منافی نہیں۔ آپ کو اپنی مثل بشر کہنے والے انتہائی جاہل اور گمراہ ہیں۔

نسبت حقیقی ومجازی

حکایت میں مذکور ہے کہ جبریل نے یوں کہا۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۔

"کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔"

حالانکہ بیٹا دینے والا خدا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ

(پ ۲۵۔ ع ۶)

"خدا جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔"

اس آیت میں "یَھَبُ" کا فاعل خدا ہے کہ خدا بیٹا دیتا ہے اور جبریل کہتے ہیں لِاَھَبَ۔ یہاں لِاَھَبَ کا فاعل جبریل ہیں۔ یعنی جبریل کہتے ہیں میں بیٹا دوں۔ تو کیا ان دونوں آیتوں میں تضاد ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ یَھَبُ میں دینے کی نسبت حقیقی ہے اور لِاَھَبَ میں دینے کی نسبت مجازی ہے یعنی دینے والا تو خدا ہی ہے۔ مگر جس کے ذریعہ سے وہ دیتا ہے۔ دینے کی نسبت اس ذریعہ کی طرف کر دینا نسبت مجازی ہے۔ مریم کو بیٹا دیا تو خدا نے ہی مگر چونکہ دیا جبریل کے ذریعہ سے۔ اس لیے دینے کی نسبت ذریعہ کی طرف کر دی گئی۔ اور جبریل نے کہا "میں بیٹا دوں"۔ اور یہ نسبت مجازی ہے۔ مثال لیجئے۔ بارش ہونے لگے تو کہا جاتا ہے۔ چھت کا پرنالہ بہہ رہا ہے۔ حالانکہ بہتا پانی ہے۔ پرنالہ کب بہتا ہے۔ مگر کہا یہی جاتا ہے۔ کہ پرنالہ بہہ رہا ہے۔ بہنا حقیقت میں فعل پانی کا ہے۔ مگر چونکہ وہ بہتا پرنالہ کے ذریعہ سے ہے۔ اس لیے بہنے کی نسبت پرنالہ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اور یہ نسبت مجازی ہے۔ اور ایسی مجازی نسبتیں عام ہیں۔ حکیم صاحب کی دوائی نے مجھے اچھا کر دیا۔ فلاں ڈاکٹر نے تو مجھے مار ڈالا۔ میں نے سخت غذا کھائی۔ اس سخت غذا نے پیٹ میں درد پیدا کر دیا۔ چورن کھایا تو چورن نے تکلیف دور کر دی۔ فرمائیے اچھا کرنے والا خدا ہے یا حکیم صاحب۔ مار ڈالنے والا خدا ہے یا ڈاکٹر۔ پیٹ

میں درد پیدا کرنے والا خدا ہے یا سخت غذا۔ اور تکلیف دور کرنے والا خدا ہے یا چورن؟ یہ سب نسبتیں مجازی ہیں کہ خدا نے حکیم صاحب کی دوائی کے ذریعہ سے مجھے اچھا کر دیا۔ خدا نے ڈاکٹر کے غلط علاج کے ذریعہ سے مجھے مار ڈالا۔ خدا نے سخت غذا کے ذریعہ سے پیٹ میں درد پیدا کر دیا۔ اور خدا نے چورن کے ذریعہ سے میری تکلیف دور کر دی۔

یہی نسبتیں ان جملوں میں بھی ہیں کہ میرا بیٹا پیر بخش ہے۔ یعنی پیر کی دعا کے ذریعہ سے خدا نے یہ بیٹا بخشا ہے۔ اللہ کے مقبول بندے مشکلیں حل فرما دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعاؤں سے مشکلیں ٹال دیتا ہے مولا علی مشکل کشا ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت علی کے ذریعہ سے مشکل دور فرما دیتا ہے۔ ان مجازی نسبتوں کو سن کر شرک کا فتویٰ لگا دینا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔

وہابیوں کے شہید مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان اس قسم کی جہالت سے بھری پڑی ہے۔

اس حکایت سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جبریل امین جو نوری مخلوق ہیں اللہ سے بیٹا لیتے وقت نور تھے۔ اور حضرت مریم کو یہ بیٹا دیتے وقت فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کے مطابق بشر تھے۔ نور تھے لینے کے لیے اور بشر بنے دینے کے لیے۔ اسی طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور ہیں۔ لیکن اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي "یعنی خدا دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں" کے مطابق خدا سے لینے وقت نور تھے اور ہمیں

دینے کے لیے لباس بشریت میں تشریف لائے۔ حضور اگر نور نہ ہوتے تو خدا سے لیتے کیسے؟ اور اگر بشر نہ ہوتے تو ہمیں دیتے کیسے؟ اگر نور نہ ہوتے تو شب معراج اوپر جاتے کیسے؟ اور اگر بشر نہ ہوتے تو نیچے آتے کیسے؟

تنزیل قرآن کی دو صورتیں

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تنزیل کی دو صورتیں تھیں۔

ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لباس بشریت اتار کر صورت ملکیہ اختیار فرما لیتے اور جبریل سے اخذ قرآن فرماتے۔

دوسرے یہ کہ جبریل لباس بشریت اختیار فرما لیتے اور حضور ان سے اخذ قرآن فرماتے۔ (اتقان صہ۴۳۔ ج ۱)

گویا قرآن لیتے وقت یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صورت ملکیہ اختیار فرما لیتے یا قرآن دیتے وقت جبریل صورت بشریہ اختیار فرما لیتے۔

نتیجہ یہی نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیتے وقت نور اور جبریل دیتے وقت بشر ہوتے۔ اسی طرح نہ جبریل کی حقیقت نوریہ میں فرق آتا ہے اور نہ ہی حضور کو اپنی اصل حقیقت نورا اختیار فرمانے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے۔

جس طرح جبریل نور ہونے کے باوجود حضور کے پاس قرآن دینے کے لیے بشریت کے لباس میں آ جاتے تھے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہونے کے باوجود ہمارے پاس قرآن سنانے کے لیے بشریت کے لباس میں تشریف لے آئے ہے

بشر بن کر خدا کا نور آیا
ہمیں قرآنِ حق آ کر سنایا

حکایت نمبر ۷

جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک روز ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی ہمارے سامنے نمودار ہوئے۔

شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ۔

جن کے کپڑے نہایت سفید اور بال نہایت کالے تھے۔

ان پر سفر کا کوئی نشان ظاہر نہ تھا۔ اور ہم میں سے کوئی انہیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور اتنے قریب بیٹھے کہ اپنے دونوں گھٹنے حضور کے گھٹنوں شریف سے ملا دیے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوؤں پر رکھے۔ جیسے نمازی التحیات میں دو زانو بیٹھتا ہے۔

اور عرض کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بتائیے کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ استطاعت ہو تو حج کرو۔ وہ شخص کہنے لگے۔ آپ نے سچ فرمایا صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحب پوچھتے بھی ہیں۔ اور

تصدیق بھی کرتے ہیں جیسے کہ انہیں پہلے ہی پتا ہو۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ اچھا اب ایمان کے متعلق بتائیے کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں۔ اس کے رسولوں اور قیامت کو مانو۔ اور اچھی بری تقدیر کو مانو۔ یہ سن کر پھر انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر پوچھا۔ حضور اب بتائیے۔ کہ احسان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ قیامت کی خبر دیجیے۔ فرمایا کہ یہ بات تم جس سے پوچھ رہے ہو۔ وہ اس کے متعلق تم سے زیادہ خبردار نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا۔ تو قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتائیے۔ فرمایا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک کو جنے گی اور ننگے پاؤں ننگے بدن والے فقیروں۔ بکریوں کے چرواہوں کو محلوں میں فخر کرتے دیکھو گے اس کے بعد وہ صاحب چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں کچھ دیر ٹھہرا۔ تو حضور نے مجھ سے فرمایا۔ اے عمر! جانتے ہو یہ کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے۔ فرمایا۔

فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ۔

یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف صـ۳)

سبق جبریل امین جو نوری مخلوق ہیں۔ ہمیں دین سکھانے کے لیے لباس بشریت میں آئے۔ اور انہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دیکھا کہ وہ

کپڑے بھی پہنے ہوئے تھے جو نہایت سفید تھے اور ان کے سر کے بال بھی تھے جو نہایت سیاہ تھے۔ گویا وہ بالکل بشر نظر آئے۔ باوجود اس کے جبریل کی حقیقت نوری تھی اور وہ لباس بشریت میں اس لیے آئے تھے تاکہ ہمیں دین سکھا جائیں۔

جبریل امین ہمیں دین سکھاتے ہوئے یہ مسئلہ بھی سمجھا گئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نوری ہے۔ وہ جو اس دنیا میں لباس بشریت میں تشریف لائے ہیں صرف اس لیے تاکہ دنیا کو دین سکھا دیں۔

جبریل امین حضور کے سامنے اس طرح بیٹھے۔ جیسے نمازی التحیات میں بیٹھتا ہے۔ اس مودبانہ نشست سے یہ بھی سمجھا گئے کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس طرح بیٹھو۔ جیسے اللہ کے حضور نماز میں بیٹھتے ہو۔

عینک کا شیشہ بذاتِ خود کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا مگر جب دیکھنے والی آنکھ کے قریب آجاتا ہے تو سب کچھ دیکھنے لگتا ہے۔ جبریل امین کو کوئی بشر نہیں دیکھ سکتا مگر صحابہ کرام علیہم الرضوان جب جبریل کو دیکھنے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض قرب سے مستفیض ہوئے تو جبریل کو دیکھ لیا۔

اسلام جبریل نے اسلام کے متعلق پوچھا تو حضور نے نماز۔ روزہ زکوٰۃ و حج سے پہلے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا۔ گویا نماز۔ روزہ۔ حج و زکوٰۃ کی قبولیت وافادیت ایمان پر منحصر ہے۔ اگر ایمان نہیں تو یہ سارے اعمال بے کار ہیں۔ کسی کو نماز پڑھتے یا پڑھنے کی تبلیغ کرتے ہوئے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ

نمازی یا مبلغ مسلمان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نمازی ہو اور مبلغ بھی مگر ہو غیر مسلم، جیسے مرزائی۔

ایمان

جبریل نے حضور سے ایمان کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں۔ اور اس کے رسولوں اور قیامت کو مانو۔ معلوم ہوا کہ صرف اللہ کو مان لینا یہ ایمان نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے ماننے کے ساتھ ساتھ فرشتوں۔ کتابوں۔ اور اس کے رسولوں اور قیامت کو بھی مانے تو مومن ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ باوجود اس حقیقت کے مولوی اسمٰعیل دہلوی مولف تقویۃ الایمان نے یہ لکھا ہے کہ ایمان یہ ہے کہ

اللہ کو مانے اور اس کے سوائے کسی کو نہ مانے

(تقویۃ الایمان صـ۱۶)

اندازہ کیجیے کہ کس قدر ظلم اور جہالت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ اللہ کو بھی مانے۔ اس کے فرشتوں کو بھی مانے۔ اس کی کتابوں کو بھی مانے اس کے رسولوں کو بھی مانے۔ اور قیامت کو بھی مانے۔ مگر برائے نام تقویۃ الایمان کا مولف مولوی اسمٰعیل دہلوی یہ کہے کہ۔

اللہ کو مانے اور اس کے سوائے کسی کو نہ مانے

اب کوئی بدبخت ہی ہوگا جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہوتے ہوئے مولوی اسمٰعیل کی بات مانے۔

احسان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر احسان کے متعلق فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ

نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" احسان کا مرتبہ بہت بڑا مرتبہ ہے خداتعالیٰ کے مقرب بندوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا ہے۔ حضور کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم خدا کو دیکھتے ہوتے تو تمہارے دل میں اس کا کس قدر خوف ہوتا اور کتنی احتیاط سے تم عمل کرتے؟ ایسے ہی خوف سے دل لگا کر عمل کرو۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تو سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ سمجھنے سے بھی عبادت میں خلوص پیدا ہوگا۔

قیامت کا علم

پھر جبریل نے حضور سے عرض کیا کہ قیامت کی خبر دیجیے تو فرمایا "اس کے متعلق میں تم سے زیادہ خبردار نہیں"۔ حضور نے یہ نہیں فرمایا۔ لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ بلکہ فرمایا "میں اس کے متعلق تم سے زیادہ خبردار نہیں"۔ اگر حضور کے اس جواب کا یہ مقصد ہوتا کہ میں نہیں جانتا تو پھر جبریل حضور سے قیامت کی نشانیاں بھی نہ پوچھتے۔ حالانکہ جبریل نے پھر عرض کیا کہ اچھا حضور! قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجیے۔

حضور نے قیامت کی نشانیاں بیان فرما دیں۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ حضور کو اگر قیامت کا علم نہ ہوتا تو آپ اس کی نشانیاں بھی بیان نہ فرما سکتے۔ جس چیز کا جسے علم ہی نہ ہو۔ اس کی نشانیوں کا اُسے علم کیسے ہو سکتا ہے مثلاً میں کسی سے پوچھوں کہ تم فلاں صاحب کو جانتے ہو۔ وہ کہے میں نہیں جانتا تو میں اس سے کہوں۔ چلو اس کی کچھ نشانیاں ہی بتا دو۔ تو وہ کہے گا کہ میں جب کہہ چکا ہوں کہ میں اُسے نہیں جانتا۔ پھر میں اس کی نشانیاں کیسے بتا دوں؟ جبریل نے جب قیامت کی کچھ نشانیاں بیان فرمانے کے لیے عرض کیا تو حضور

نے نشانیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو قیامت کا
علم تھا مگر جبریل کے پوچھنے پر بتایا کیوں نہیں؟

سنیے! خدا تعالیٰ قیامت کے متعلق فرماتا ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ
بِمَا تَسْعٰى (پ ۱۹۔ ع ۱۰)

بے شک قیامت آنے والی ہے۔ قریب تھا کہ میں اسے سب
سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔

اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

(پ ۱۳۔ ع ۶)

یا قیامت ان پر اچانک آجائے اور انہیں خبر نہ ہو۔

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً۔

(پ ۹۔ ع ۱۳)

قیامت تم پر نہ آئے گی مگر اچانک۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

(پ ۱۷۔ ع ۱۴)

یہاں تک کہ ان پر قیامت آجائے اچانک۔

ان آیات میں خدا نے فرمایا ہے کہ "میں نے قیامت کا وقت سب سے
چھپایا ہے تاکہ ہر جان اپنی کوشش کا بدلہ پائے"۔
یعنی ہر شخص ڈرتا رہے اور اس کے خوف سے گناہوں سے بچے۔ نیکیاں

زیادہ کرے اور ہر وقت توبہ کرتا رہے۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ مگر خدا
نے اس کے وقت کو چھپایا ہے۔ اس لیے وہ جب کبھی آئے گی بَغْتَةً آئے گی
یعنی اچانک آئے گی۔ خدا کے ان ارشادات کے پیش نظر حضور نے قیامت
کا وقت نہ بتایا۔ اگر بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا۔ اور اچانک
آجانے سے جو فوائد تھے وہ فوائد باقی نہ رہتے۔ یعنی ہر شخص ڈرتا رہتا۔ اس
کے خوف سے گناہوں سے بچتا۔ نیکیاں زیادہ کرتا اور ہر وقت توبہ کرتا رہتا۔

حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ میں جانتا نہیں۔ صرف یہ فرمایا کہ قیامت کے
بارے میں جو تم جانتے ہو وہی میں جانتا ہوں۔ کچھ زیادہ نہیں۔ قیامت کا علم
اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے۔ بھرے مجمع میں مجھ سے وقت پوچھ کر اس کے اچانک
آجانے کی حیثیت کو کیوں ختم کرانا چاہتے ہو؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا بھی علم تھا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں۔

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا
فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ
مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ
مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۵۰۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں

دنیا کی ابتداء سے لے کر اس وقت تک کی سب خبر دے دی جب کہ جنتی لوگ اپنی اپنی منزلوں میں اور جہنمی اپنی اپنی منزلوں میں پہنچ گئے۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا۔ اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَخَطَبَ حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى۔ ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَ حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۵۳۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمارے ساتھ نماز فجر پڑھی۔ نماز پڑھ کر آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور بیان شروع فرمایا۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہوگیا اور آپ منبر سے اترے۔ اور نماز ظہر پڑھی۔ نماز کے بعد پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور پھر بیان شروع فرمایا۔ یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا۔ آپ منبر سے اترے۔ نماز عصر پڑھی۔ نماز کے بعد پھر منبر پر تشریف فرما ہوگئے۔ اور بیان شروع فرمایا

یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ حضور نے اپنے اس بیان میں قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا تھا ہمیں سب کچھ بتا دیا۔

ان احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کی ابتداء سے انتہا تک اور "قیامت تک" کی ساری ہونے والی باتوں کی خبر دینا ثابت ہو رہا ہے "اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" کا جملہ قابل غور ہے۔ "قیامت کے دن تک" دنیا کی انتہا بتا رہا ہے۔ یعنی یہ دنیا جہان ختم ہو جائے گی وہاں تک کے سارے حالات بیان فرما دیے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا جہان ختم ہوگی وہیں سے قیامت کے دن کی ابتداء ہوگی۔ اس دنیا کی انتہا اور قیامت کے دن کی ابتداء۔ تو جس کی نظر دنیا کی انتہا تک جا پہنچے گی لازماً اس کی نظر قیامت کے دن کی ابتداء پر بھی ہوگی۔ اگر اس کی نظر قیامت کے دن کی ابتداء پر نہ مانی جائے تو پھر اس کا واقعات دنیا کو قیامت کے دن تک" بیان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ "قیامت کے دن تک" بتا رہا ہے کہ بیان فرمانے والے کو علم ہے کہ یہ دنیا کی انتہا ہے۔ اور آگے قیامت کے دن کی ابتداء۔

جبریل کے پوچھنے پر حضور نے پھر قیامت کی جو نشانیاں بیان فرمائیں وہ یہ ہیں کہ "لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔ یعنی اولاد ماں کی گستاخ اور نافرمان ہوگی۔ بیٹا اپنی ماں کو لونڈی سمجھے گا اور اس پر حکم چلائے گا۔ گویا ماں اپنے بیٹے کو نہیں جنے گی۔ بلکہ لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔

چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق آج یہی کچھ ہو رہا ہے۔

دوسرے یہ فرمایا کہ ننگے پاؤں۔ ننگے بدن والوں۔ بکریوں کے چرواہوں

کو محلوں میں فخر کرتے دیکھو گے۔

چنانچہ عرب کے ننگے پاؤں ننگے بدن والوں بکریوں کے چرواہوں کو آج سعودی عرب جاکر دیکھیے۔ بڑے بڑے محلات میں رہ رہے ادھر ہمارے ہاں جموں و کشمیر کے مہاجروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو وہاں ننگے پاؤں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہاں آئے تو ان کے نام کوٹھیاں الاٹ ہو گئیں اور وہ بڑے فخر سے ان میں رہ رہے ہیں۔

صَدَقَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا رسول اللہ! ع

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

حکایت نمبر ۸

جبریل حضور کے وزیر

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دو وزیر آسمان پر ہیں۔ اور دو وزیر زمین پر۔ آسمان پر میرے جو دو وزیر ہیں۔ وہ جبریل و میکائیل ہیں اور جو زمین پر میرے دو وزیر ہیں وہ ابوبکر و عمر ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۲)

سبق ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وزیر آسمان پر اور دو وزیر زمین پر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وزیر بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہمارے حضور آسمان کے بھی بادشاہ و حاکم اور زمین کے بھی بادشاہ و حاکم ہیں۔ زمین و

آسمان حضور کی وسیع سلطنت کے دو صوبے ہیں۔ شب معراج حضور اپنی ہی سلطنت کے ایک صوبہ میں تشریف لے گئے۔

وزیر ہمیشہ با اختیار ہوا کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی وزیر بھی ہو اور بے اختیار بھی ہو۔ اگر وزیر کو کوئی اختیار حاصل نہ ہو تو وہ وزیر کیسا؟ آج کل جو لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ممبر اور پھر وزیر بننا چاہتے ہیں کیا وہ لاکھوں روپیہ اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ بے اختیار ہو جائیں؟

معلوم ہوا کہ وزیر با اختیار ہوتا ہے۔ پھر جس حاکم کے وزیر با اختیار ہوں وہ حاکم خود کیوں با اختیار نہ ہو گا؟ مگر مولوی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کی منطق نرالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان ص ۴۷)

گویا جس بادشاہ کے وزیر تو با اختیار ہیں۔ وہ بادشاہ خود کسی چیز کا مختار نہیں۔ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے حاکم مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔

(پ ۵۔ ع ۶)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

دیکھیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک تمہیں اپنا حاکم نہ مانیں گے۔ گویا وہ اللہ کو بھی مان لیں جنت و دوزخ کو بھی مان لیں، قیامت پر بھی ایمان لے آئیں۔ مگر حضور کو اگر حاکم نہ مانیں گے تو وہ مسلمان ہرگز نہ ہوں گے۔

حضور کو حاکم ماننا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم بے اختیار نہیں ہوتا۔ ملک کا سربراہ حاکم ہوتا ہے۔ اور سارے ملک پر اُسے اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کیا کبھی آپ نے سنا کہ فلاں صاحب ضلع کے ڈی سی ہیں مگر اختیار انہیں کسی بات کا نہیں؟ یا تو اُسے ڈی سی نہ کہیے یا پھر اُسے سارے ضلع کا مختار مانیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا تو ساری کائنات کا رسول و حاکم نہ کہیے۔ یا پھر انہیں ساری کائنات کا مختار مانیے۔ حاکم نہ مانیے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھئے۔ اور حاکم مانیے تو انہیں با اختیار مانیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار بھی ہیں

ثابت ہوا کہ ہمارے حضور ساری کائنات کے رسول بھی ہیں اور حاکم بھی۔ یعنی ساری کائنات پر آپ کو اختیار حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اختیار عطا فرما کر انہیں حاکم بنایا ہے۔ آپ اپنے اختیار سے جو چاہیں حکم فرمائیں۔ ہمیں آپ کے حکم کی تعمیل کرنا پڑے گی۔ آپ صاحب شریعت ہیں۔ آپ کی زبان انور سے جو حکم ہو جاتے وہی شریعت ہے۔

اللہ نے آپ کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ آپ جس چیز کو چاہیں واجب کر دیں۔ جسے چاہیں ناجائز کر دیں۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔

(پ ۹ ع ۹)

(وہ رسول) انہیں بھلائی کا حکم دے گا۔ برائی سے منع کرے گا ستھری چیزیں ان کے لیے حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تحلیل و تحریم کی نسبت حضور کی طرف کی ہے کہ ستھری چیزوں کو وہ حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو وہ حرام فرماتے ہیں۔ يُحِلُّ وَيُحَرِّمُ کا فاعل حضور ہیں یعنی حلال و حرام کرنے والے حضور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (پ ۶ - ع ۴)

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے
ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اور جو گلا گھونٹنے سے مرے
اور بے دھار کی چیز سے مارا ہو۔ اور جو گر کر مرا اور جسے کسی
جانور نے سینگ مارا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا۔ مگر جسے
تم ذبح کر لو۔ اور جسے تھان پر ذبح کیا گیا۔

قرآن پاک کی حرام کردہ چیزوں کی اس فہرست میں دیکھ لیجیے۔ کہیں کتا کا ذکر نہیں آیا کہ وہ بھی حرام ہے۔ گدھے۔ گیدڑ۔ بھیڑیے۔ شیر۔ ریچھ۔ بلے۔ سانپ بچھو۔ ان کے علاوہ بول و براز وغیرہ کسی چیز کا بھی تو نام نہیں آیا نہ صرف اسی مقام پر بلکہ قرآن پاک سارا پڑھ جائیے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی مقام پر بھی تو ان چیزوں میں سے کسی چیز کو حرام نہیں فرمایا۔ پھر کیا ان سب گندی چیزوں کا استعمال جائز ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ خدا ہی نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (پ ۲۸ ۔ ع ۴)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع
فرمائیں باز رہو۔

یعنی میری (اللہ کی) بیان فرمودہ حرام چیزوں کے علاوہ کون کون سی چیز حرام ہے۔ اور کون کون سی حلال؟ یہ تفصیل میرے رسول سے پوچھو۔ اس لیے کہ میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شان سے مبعوث

فرمایا ہے کہ وہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ کے مطابق پاک اور ستھری چیزیں حلال فرماتا اور ناپاک و گندی چیزیں حرام فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا کہ۔

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ ۔ اَلَا یُوْشِكُ
رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا
الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ
وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ ۔ وَاِنَّ
مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا یَحِلُّ
لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِیُّ وَلَا كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ
السِّبَاعِ ۔ (مشکوٰۃ شریف صہ۲۱)

جان لو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی (یعنی حدیث) خبردار عنقریب ایک پیٹ بھرا آدمی اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے کہے گا کہ تم صرف قرآن کو دیکھو۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جس چیز کو اللہ کا رسول حرام فرمادے وہ ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ نے اسے حرام فرما دیا ہو۔ جان لو کہ تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی کیل والا درندہ جانور۔

...

گدھے۔ کتے، شیر، بلے وغیرہ درندے حضور نے حرام کیے ہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گدھے، شیر، چیتے، بلے، کتے، بھیڑیے چیل وغیرہ جگہ درندے جانور خدا نے قرآن میں حرام نہیں فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں انہیں حرام فرمایا ہے۔

اب جو لوگ قرآن ہی کو حجت سمجھتے ہیں اور حدیث کے منکر ہیں اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع و مختار نہیں مانتے۔ ان کو چاہیے کہ وہ ان جانوروں کا بھی گوشت کھایا کریں۔

گندی چیزوں کو بھی حضور نے حرام کیا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت خلا میں تشریف لے جاتے تو فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثْ

بول و براز "مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث" ہے۔

اور قرآن میں خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بیان فرمائی کہ۔

يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔

وہ ناپاک و گندی چیزوں کو حرام فرماتا ہے۔

تو جو لوگ حدیث کے منکر اور حضور کے شارع و مختار ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں ان "خبائث" کا بھی استعمال کرنا چاہیے۔

کروڑوں درود اور کروڑوں سلام اس ذات گرامی پر جس نے اپنی امت کو پاک وصاف چیزیں کھلائیں۔ اور ناپاک وگندی چیزوں سے بچایا۔ آج دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو کتے بڑے شوق سے کھاتے ہیں فلپائن میں جاکر دیکھ لیجیے، چین میں چوہے، سانپ اور مینڈک کھائے جاتے ہیں۔ دور نہ جائیے۔ ہندوستان کے ہی ایک وزیراعظم کو دیکھ لیجیے جو اپنا پیشاب آپ پیتا رہا اور اخباروں میں دوسروں کو بھی تلقین کرتا رہا۔ کہ تم بھی اپنا پیشاب پیا کرو اس میں بڑی طاقت کے اجزا پائے جاتے ہیں۔

یہ احسان ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دنیا پر کہ ناپاک وگندی چیزوں سے بچایا۔ اور پاک وستھری چیزوں کو حلال فرمایا۔

حدیث پاک میں "وَمِثْلَهُ مَعَهُ" آیا ہے۔ یعنی میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی۔ حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مثل فرمایا ہے۔ حالانکہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ"

"یعنی اگر تمہیں اس کتاب قرآن پاک میں کوئی شک ہے تو اس کی مثل ایک سورۃ ہی بنا کر دکھاؤ"

خدا تو قرآن پاک کو بے مثل فرماتا ہے اور حضور حدیث پاک کو اس کی مثل بتاتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ قرآن پاک فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے مثل ہے حضور نے جو حدیث کو مثل قرآن فرمایا ہے وہ

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے نہیں فرمایا بلکہ اس لحاظ سے فرمایا ہے کہ جیسے قرآن کے حلال و حرام کرنے سے کوئی چیز حلال یا حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حدیث کے حلال و حرام کرنے سے بھی کوئی چیز حلال و حرام ہو جاتی ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو حدیث کے یہ الفاظ بیان کر رہے ہیں۔

اِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ

یعنی جس چیز کو اللہ کا رسول حرام فرمادے وہ ویسے ہی حرام ہے جیسے اللہ نے اُسے حرام فرمادیا ہو۔

حکایت نمبر ۹

جبریل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہی

غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ھٰذَا جِبْرِیْلُ آخِذٌ بِرَاْسِ فَرَسِہٖ عَلَیْہِ اَدَاۃُ الْحَرْبِ۔ (بخاری شریف صنہ ۵۷۰ ج ۲)

دیکھو یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں اور گھوڑے پر لڑائی کے ہتھیار ہیں۔

غزوۂ خندق سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا تو جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

قَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللّٰہِ مَا وَضَعْنَاہُ فَاخْرُجْ اِلَیْہِمْ قَالَ فَاِلٰی اَیْنَ قَالَ ھٰھُنَا فَاَشَارَ اِلٰی بَنِیْ قُرَیْظَۃَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِمْ۔ (بخاری شریف صنہ ۵۹ ج ۲)

حضور! آپ نے ہتھیار کھول دیے۔ بخدا ہم نے نہیں کھولے ہم ابھی تک مسلح ہیں۔ تشریف لے چلیے۔ بنی قریظہ کو ان کی غداری کی سزا دینا باقی ہے۔ تو حضور جبریل کے ساتھ چل پڑے۔

سبق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک واقعہ کا خدا ذکر فرماتا ہے۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ۔

(پ ۲۶ ۔ ع ۱۹)

اے محبوب کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مہمان بنا کر بھیجا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میزبان بنے اور فرشتے مہمان۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مہمان میزبان سے مرتبہ میں چاہے کم ہو میزبان کو اس کی خاطر و مدارات کرنا پڑتی ہے۔ میزبان یہ نہیں دیکھتا کہ مہمان مجھ سے عمر میں یا مرتبہ میں چھوٹا ہے۔ وہ جب مہمان بن کر آیا تو میزبان اس کی دلجوئی کرے گا۔ اس پر نوازش کرے گا۔ اور کوشش کرے گا کہ مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی خاطر و مدارات ہی کی ہوگی نا۔ اس لیے کہ مہمان ایک اعزازی شان رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ میزبان سے مرتبہ میں کم ہو میزبان پھر بھی اس کی عزت کرتا ہے۔

یہ تو ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ کہ فرشتے مہمان بن کے آتے ہیں مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بارگاہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کو حضور کے سپاہی بنا کر بھیجتا ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

وَيُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ (پ ۴ ۔ ع ۴)

تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیج دیگا۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔

(پ ۲۸ ۔ ع ۱۹)

اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوتے تو مہمان بن کر اور مہمان کی مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوئے تو سپاہی اور مددگار بن کر۔ اور سپاہی محکوم ہوتا ہے۔ سپہ سالار حاکم ہوتا ہے۔ گویا حضور کی بارگاہ میں فرشتے محکوم بن کر آئے۔

جبریل کا گھوڑا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمان کافروں کا تعاقب کرتے تھے۔ اور کافر مسلمان کے سامنے سے بھاگتا جاتا تھا۔ اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی۔ اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا۔

اقدم یا حیزوم

آگے بڑھ اے حیزوم

حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے اور نظر آتا تھا کہ کافر

گر کر مر گیا اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنے یہ معاملے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیے تو آپ نے فرمایا۔ یہ آسمان سوم کی مدد ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان ص۲۵۶) ؎

مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا
ملک خادمانِ سرائے محمد

جنگ بدر جب ختم ہو گئی تو حضرت جبریل ہتھیاروں سے مسلح ایک سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكَ وَأَمَرَنِي أَنْ لَا أُفَارِقَكَ حَتّٰى تَرْضٰى هَلْ رَضِيتَ قَالَ نَعَمْ رَضِيتُ فَانْصَرَفَ۔

(خصائص کبریٰ ص۲۰۳ ج۱)

حضور! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جب تک آپ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں رہیں آپ سے جدا نہ ہوں تو کیا حضور مجھ سے راضی ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں میں راضی ہو گیا تو جبریل واپس چلے گئے۔

معلوم ہوا کہ اللہ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شان کی حکومت عطا فرمائی ہے کہ جبریل امین بھی ان کے ایک سپاہی ہیں ؎

اس شان کی اللہ نے انہیں بخشی ہے شاہی
جبریل امیں بھی ہیں محمد کے سپاہی

حکایت نمبر ۱۰

جبریل امین اور ابوجہل لعین

ایک دن ابوجہل نے اپنے یاروں سے کہا کہ محمد جب نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں جائے گا تو میں اس کا سر پتھر سے توڑ دوں گا (معاذ اللہ) چنانچہ وہ دوسرے دن پتھر لیے اس انتظار میں رہا۔ کہ حضور کو نماز پڑھتے دیکھوں اور جب وہ سجدہ میں جائیں تو پتھر سے ان کا سر توڑ دوں۔ آخر اس نے دیکھا کہ حضور نماز میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ جب آپ سجدہ میں گئے تو ابوجہل پتھر لے کر قریب پہنچا۔ قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک دم گھبرایا ہوا واپس آ، ڈر کے مارے اس کا رنگ فق ہو گیا اور جس ہاتھ سے پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ خشک ہو گیا اور پتھر زمین پر گر گیا۔ اس کے ساتھیوں نے جب اسے اس حال میں لوٹتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں جب محمد کے قریب ہوا تو میں نے ایک بدمست نر اونٹ کو دیکھا کہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے کبھی ایسے بڑے سر والا، لمبی گردن والا۔ اور اتنے بڑے دانتوں والا اونٹ نہیں دیکھا تھا۔ میں اگر جان بچا کر فوراً پلٹ نہ آتا تو وہ مجھے پھاڑ کھاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا۔

ذٰلِكَ جِبْرِيلُ لَوْ دَنَا مِنِّي لَأَخَذَهُ۔

جو اونٹ کی شکل میں نظر آیا وہ جبریل تھا۔ ابوجہل اگر میرے نزدیک آجاتا تو جبریل اُسے جیتا نہ چھوڑتا۔

(جواہر البحار صفحہ ۷۷، جلد ۱)

سبق جبریل امین جو ملکوتیوں کا بادشاہ ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا دربان ہے دشمنوں سے وجودِ اقدس کی حفاظت اس کے ذمہ تھی ؎

دیکھی نہیں کسی نے اگر شان مصطفٰے
دیکھے کہ جبریل ہیں دربانِ مصطفٰے

نہ صرف یہ کہ جبریل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان و چوکیدار ہیں بلکہ حضور کے مقدس شہر مدینہ منورہ کی چوکیداری کے لیے بھی فرشتے مقرر ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (بخاری شریف صـ۲۵۲ ج ۱)

مدینہ کے ہر کونہ پر فرشتے چوکیدار ہیں جو طاعون اور دجال کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

مدینہ منورہ کو یہ شان کیوں حاصل ہوئی؟ صرف اس لیے کہ یہ حضور کا شہر ہے حضور کی بدولت مدینہ منورہ کے بھی چوکیدار فرشتے بن گئے اور وہ اس شہر میں طاعون و دجال کو قیامت تک داخل نہ ہونے دیں گے۔

مدینہ منورہ شرک سے محفوظ ہے

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے طاعون سے بھی زیادہ خطرناک مرض شرک ہے۔ طاعون سے جان جاتی ہے۔ شرک سے ایمان جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طاعون تو مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے اور شرک داخل ہو جائے؟ مقامِ حیرت ہے کہ نجدیوں کو مدینہ منورہ میں شرک کیسے نظر آ گیا۔ اور انہوں نے مزارات پر سے قبوں کو مسمار کر دیا۔ کہ یہاں شرک ہوتا تھا حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے۔

اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَلٰكِنِّیْ اَخْشٰی عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا

(مشکوٰۃ شریف صـ۵۳۹)

مجھے اس بات کا کوئی ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے ہاں ڈر ہے تو اس بات کا کہ تم دنیا کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔

اس ارشاد میں صاف فرمایا گیا ہے کہ میرے بعد تم شرک نہیں کرو گے ہاں دنیا کے گرویدہ ہو جاؤ گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد حق ہے۔ دیکھ لیجیے۔ حضور کے ارشاد کے مطابق واقعی آج کل کے غافل مسلمان دنیا کے گرویدہ ہو چکے ہیں (الا ماشاء اللہ)

اور جس طرح یہ بات حضور کی حق تھی اور حق ثابت ہو رہی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی حق تھی اور حق ہے اور حق ہی رہے گی کہ حضور کا کوئی غلام شرک نہیں کرتا۔ ہم گنہگار تو ہو سکتے ہیں مگر حاشا و کلا مشرک ہرگز نہیں ہیں اور

کیوں ہوں جب کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو چکا کہ میرے غلام میرے بعد بھی شرک کا ارتکاب نہ کریں گے۔ اور اگر کسی کی نظر میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم شرک ہے، تو ہم کہیں گے ؎

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے

حکایت نمبر ۱۱

جبریل اور ایک سبز رنگ کے ریشمی کپڑے کا ٹکڑا

ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک سبز رنگ کے ریشمی کپڑے کا ٹکڑا حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کپڑے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت مبارکہ نمایاں تھی۔ جبریل نے عرض کیا۔ حضور! یہ آپ کی دنیا و آخرت کی بیوی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۵۶۵)

سبق یہ سبز رنگ کے ریشمی کپڑے کا ٹکڑا جس پر ام المومنین حضرت عائشہ کی تصویر تھی۔ خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ چنانچہ جب حضرت ام المومنین حضور کے عقد میں آگئیں تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تین رات مسلسل مجھے ایک ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر دکھائی جاتی رہی۔ جسے جبریل لے کر آتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ ہے آپ کی بیوی۔ اے عائشہ! آج جو میں نے تمہارے چہرہ

سے کپڑا اٹھایا تو تم وہی ہو۔ جبریل تمہاری تصویر لاتا رہا تو میں نے کہا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یہ رشتہ ہو کر رہے گا۔ (مشکوٰۃ صہ ۵۶۵)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خود منتخب فرمایا۔ کس قدر خوش بخت ہیں ام المومنین حضرت عائشہ کہ کسی لڑکی کا رشتہ اس کا باپ کرتا ہے۔ کسی کا چچا۔ بھائی یا اس کی ماں کرتی ہے مگر حضرت عائشہ کا رشتہ خود خدا تعالیٰ نے کیا۔ اب کون بدبخت ہے جو اس رشتہ میں کوئی عیب بیان کرے اور ام المومنین کے بارے میں زبانِ طعن کھولے۔ معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ اگر ام المومنین میں کوئی عیب ہوتا یا ہونے والا ہوتا تو خدا تعالیٰ جسے ہر اگلی پچھلی گزری اور ہونے والی ساری باتوں کا علم ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ رشتہ کیوں تجویز کرتا؟

حضرت عائشہ پر سلام ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس رشتہ مقدسہ سے یہ مقام بلند حاصل ہوا کہ جبریل امین بھی آپ پر سلام بھیجتے ہیں۔

چنانچہ خود فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے مجھ سے فرمایا۔

يَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ۔

اے عائشہ! یہ جبریل ہے جو تمہیں سلام کہہ رہا ہے۔

میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۵۶۵)

یہ ہے شان حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی ، پھر ہم بھی کیوں عرض نہ کریں کہ ے

بنت صدیق آرامِ جان نبی — اُس حریم برأت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ — اُن کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

سورۂ نور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کے خلاف جب منافقین نے ایک بہتان باندھا تو چونکہ یہ رشتہ خود خدا تعالےٰ نے طے کیا تھا اس لیے ام المومنین کی پاک دامنی و برأت کی خود خدا نے گواہی دی۔ اور سورۂ نور نازل فرما کر آپ کی پاک دامنی ۔ طہارت ۔ عفت و عصمت کا اعلان فرما دیا اور فرما دیا کہ یہ منافقین کا بہتان عظیم ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

(پ ۱۸ ۔ ع ۸)

اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ہم ایسی بات کہیں ۔ الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔

پھر فرمایا:۔

اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔

(پ ۱۸ ۔ ع ۸)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور پاک وستھری عورتیں پاک وستھرے مردوں کے لیے اور پاک وستھرے مرد پاک وستھری عورتوں کے لیے۔

اس آیت میں خدا نے صاف صاف فرما دیا کہ میرا محبوب جو طیبوں پاکوں اور ستھروں کا سردار ہے ، یہ ناممکن ہے کہ اس کے عقد میں کوئی گندی عورت آسکے۔

لباس خدا فرماتا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ۔

(پ ۲ ۔ ع ۱۷)

عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔

اس آیت کے مطابق بیوی مرد کا لباس ہوتی ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور کا لباس ٹھہریں ۔ اور حضور کا لباس پاک و طاہر ہے۔

خدا فرماتا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ (پ ۲۹ ۔ ع ۱۵)

اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

پس حضور کی بیوی پر اگر کوئی پلید گندا اچھالے گا تو گویا اس نے حضور کے لباس کو ناپاک کرنا چاہا۔ جو انتہا درجہ کی ناپاک حرکت ہے۔

مُزکی خدا نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت مُزکی بھی بیان فرمائی ہے یعنی پاک وستھرا بنا دینے والے۔ چنانچہ فرمایا۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

(پ ۴ ۔ ع ۱۷)

(یہ رسول) ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کی یہ تاثیر ہے کہ جو کھوٹا آیا تو کھرا بن گیا۔ جاہل آیا تو عالم بن گیا۔ گندہ آیا تو پاک بن گیا۔ آپ کی ایک ساعت کی بھی مجالست و صحبت نے ہزاروں کو رنگ دیا اور لاکھوں کو کندن بنا دیا۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ جو بیویاں شب و روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت مجلس سے مستفیض و مستنیر ہوتی رہیں وہ خالی رہ گئیں ہوں۔ کیا آپ کے تزکیہ کا ان پر اثر نہ پڑ سکا؟ پڑا اور ضرور پڑا۔ اور اسی لیے خدا نے فرمایا کہ میرا رسول جب طیبین سے ہے تو اس کی ازواج مطہرات بھی یقیناً طیبات سے ہیں۔

ماں

خدا تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں کہا ہے۔

چنانچہ فرمایا۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (پ ۲۱ ۔ ع ۱۷)

اور نبی کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

خدا نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی مائیں اس لیے کہا ہے کہ ماں کی بے ادبی کرنے والا ہر قوم میں گستاخ اور عاقبت نااندیش سمجھا جاتا ہے اور کوئی اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ جسمانی ماں کے لیے خدا کا حکم ہے۔

وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔

(پ ۱۵ ۔ ع ۳)

ماں باپ کو اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو۔ بلکہ نرمی و شرافت سے بات کرو۔

تو کتنا بدنصیب اور برا ہے وہ شخص جو تمام روحانی ماؤں کی سردار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ناشائستہ و نازیبا کلمات کہے۔

ام المومنین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بڑی شان ہے۔ حضور نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔

يَا فَاطِمَةُ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

اے فاطمہ کیا تم اس بات پر خوش نہ ہوگی کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو یا مومن عورتوں کی۔

اس ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی اور مومنوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ صرف عورتوں کی سردار فرمایا۔ مردوں کی نہیں مگر خدا نے ازواج النبی کو جملہ مومنوں کی مائیں فرمایا۔ مومن عورتوں کی بھی مائیں اور مومن مردوں کی بھی مائیں۔ اس ارشاد کے پیش نظر حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضرت فاطمہ صرف مومن عورتوں کی سردار ہیں

اور حضرت عائشہ مومن عورتوں اور مردوں کی بھی ماں ہیں۔

محدثہ و فقیہہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بڑی محدثہ و فقیہہ تھیں۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سمجھنے اور کسی دوسرے مسئلہ کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو ہم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا حل دریافت کرتے تو آپ اس مشکل کو حل فرما دیتیں۔ کیونکہ آپ بہت بڑی عالمہ تھیں۔

(مشکوٰۃ شریف صد ۵۲۶)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اصحاب کرام در مشکلات احکام رجوع بوے مینمودند۔

(مکتوبات شریف صد ۵۹ ج ۲)

”صحابہ کرام شرعی احکام کی مشکلات کے حل کے لیے ام المومنین کی طرف رجوع کرتے تھے۔“

عائشہ کے گھر میں کھانا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”میرا کچھ سال سے یہ طریقہ تھا کہ میں ہر سال کچھ طعام پکا کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پہنچاتا تھا ایک سال میں نے ایسا ہی کیا۔ تو رات کو میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے حضور کو سلام عرض کیا

تو حضور نے میری طرف توجہ نہ فرمائی۔ اور اپنا روئے انور دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضور اس کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا۔

من طعام در خانۂ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔

”میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں۔ جسے مجھے کھانا بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر میں بھیجے۔“

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضور کی عدم توجہ کا باعث یہ بات ہے کہ کھانے کا ثواب پہنچاتے وقت میں ام المومنین حضرت عائشہ کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا۔ کہ جب بھی کھانا پکاتا تو ثواب پہنچاتے وقت حضرت عائشہ بلکہ ساری ازواج مطہرات کا نام بھی لیتا۔ کیونکہ یہ سب اہل بیت میں شامل ہیں اور تمام اہل بیت کا توسل اختیار کرتا۔

(مکتوبات شریف صد ۵۹-۶۰۔ ج ۲)

دیکھیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کتنا بلند مقام ہے کہ ایصال ثواب میں حضرت علی۔ حضرت فاطمہ، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا نام لے لینے کے باوجود حضور نے حضرت مجدد صاحب کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور رخ انور پھیر لیا اور وجہ یہ فرمائی کہ ایصالِ ثواب میں حضرت عائشہ کا نام کیوں نہیں لیتے۔ جب کہ میں کھانا کھاتا ہی حضرت عائشہ کے گھر میں ہوں۔“

فاتحہ دلانا بدعت نہیں

حضرت مجدد صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہوا کہ کسی روز کچھ پکا کر بزرگانِ دین کو ایصالِ ثواب کرنا جسے عرف عام میں فاتحہ دلانا کہا جاتا ہے۔ جائز ہے بدعت نہیں۔

کیونکہ ماحی بدعت حضرت مجدد صاحب کا بھی یہ دستور تھا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کھانا پکا کر کسی بزرگ کے نام اس کا ثواب پہنچانا بے کار بات نہیں۔ بلکہ ثواب پہنچتا ہے۔ اگر نہ پہنچتا ہوتا تو حضور یوں کیوں فرماتے کہ "جسے مجھے کھانا بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر میں بھیجے" اگر یہ امر بدعت ہوتا تو حضور اپنا رخِ انور پھیر لیتے اور سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ تم نے یہ کیا نیا طریقہ نکال لیا ہے کہ ہر سال کچھ پکا کر ہمارے نام ایصالِ ثواب کرتے ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو دیوبندی اور اہل حدیث حضرات بھی ماحی بدعت تسلیم کرتے ہیں۔ لہٰذا سب کی معتمد علیہ ہستی کے اس ارشاد سے ثابت ہو گیا کہ فاتحہ دلانا اور ایصالِ ثواب جائز اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز ہے۔

خدا چاہتا ہے رضائے محمد

ام المومنین کا مقدس عقیدہ ملاحظہ فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں۔

مَا اَرٰی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ ھَوَاکَ

(بخاری شریف صـ ۷۰۶)

آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔

یعنی جو آپ چاہیں وہ ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے مولوی اسمٰعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں کہ۔

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ صـ ۲۶

گویا مولوی اسمٰعیل ام المومنین کا ارشاد بھی نہیں مانتے۔ پھر ایسے شخص کو "مومنوں کی ماں" سے کیا تعلق؟ "مومنوں کی ماں" کا لائق فرزند وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حکایت نمبر ۱۲

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جبریل علیہ السلام

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

سَلُوْنِیْ عَنْ طُرُقِ السَّمٰوٰتِ فَاِنِّیْ اَعْلَمُ بِھَا مِنْ طُرُقِ الْاَرْضِ۔

مجھ سے آسمانوں کی راہوں کو پوچھ لو۔ کیونکہ میں زمین کی راہوں سے زیادہ آسمانوں کی راہیں جانتا ہوں۔

اس وقت جبریل علیہ السلام ایک انسان کی شکل میں آئے اور حضرت علی سے کہنے لگے اگر آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو بتائیں۔ اس وقت

جبریل کہاں ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور دائیں بائیں دیکھا، پھر اپنی نظر زمین کی طرف کرکے دائیں بائیں دیکھا۔ اور پھر فرمایا۔ میں نے جبریل کو آسمانوں پر کہیں نہیں دیکھا اور زمین پر بھی مجھے وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ تم ہی جبریل ہو۔

(نزہتہ المجالس ص ۱۷۵ ج ۲)

سبق | حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ع

لوح محفوظ است پیشِ اولیا

یعنی لوح محفوظ ہر وقت اولیاء کرام کے سامنے رہتی ہے۔ لوح محفوظ وہ ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔

(پ ۷۔ ع ۴)

یعنی کائنات کی ہر تر اور خشک چیز اس میں مکتوب ہے۔

گویا دنیا کی ہر چیز اولیاء کرام کے سامنے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو سید الاولیاء ہیں۔ پھر ان سے کائنات کی کوئی چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے۔ اور پھر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی آقا و مولیٰ بلکہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے بھی سید و سردار ہیں۔ یعنی حضور سید المرسلین خاتم النبیین سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علم کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے؟ جن کے ایک غلام کا یہ علم ہو کہ جبریل بھی ان کی نظر سے غائب نہیں رہ سکتا۔

اس آقا کی نظر سے ہم تم یا کائنات کی کوئی چیز غائب رہ سکتی ہے؟ سچ کہا اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

باوجود اس حقیقت کے کس قدر جاہل و بے خبر ہے وہ شخص جس نے یہ دیکھ لیا کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

(براہین قاطعہ ص ۵۱)

یہ براہین قاطعہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی لکھائی ہوئی اور ان کی مصدقہ کتاب ہے۔ اور مولوی صاحب دیوبندی حضرات کے قطب الاقطاب ہیں۔ ان قطب صاحب کی بے خبری ملاحظہ کیجیے۔ کہ عالم ماکان و مایکون کے علم سے ہی بے خبر ہیں۔ ؎

تو دانائے ماکان اور مایکوں ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

حکایت نمبر ۱۳

جبریل و میکائیل علیہما السلام اور اونٹنی

ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلہ خریدنے کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چادر چھ درہم کو بیچی۔ اور غلہ خریدنے کے لیے چل پڑے۔ راستہ میں ایک سائل مل گیا۔ اس نے سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب درہم اسے دے دیے۔ آگے بڑھے تو ایک اعرابی کو دیکھا جو ایک اونٹنی لیے کھڑا تھا۔ اس نے حضرت علی سے کہا۔ علی! تم اس اونٹنی کو خرید لو۔ جب چاہے قیمت پھر دے دینا میں یہ اونٹنی سو درہم کو بیچتا ہوں۔ حضرت علی نے اونٹنی سو درہم کی خرید لی اور اونٹنی لے کر آگے بڑھے تو ایک دوسرا اعرابی مل گیا۔ وہ کہنے لگا۔ علی! یہ اونٹنی اگر بیچنے کو لے جا رہے ہو تو یہ لو ایک سو ساٹھ درہم اور اونٹنی مجھے دے دو۔ حضرت علی نے اونٹنی بیچ دی اور اعرابی سے ایک سو ساٹھ درہم وصول کر لیے۔ آگے بڑھے تو راستے میں پہلا اعرابی پھر ملا۔ اور اپنے سو درہم طلب کیے۔ حضرت علی نے سو درہم اسے دے دیے۔ اور ساٹھ درہم لے کر گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ نے پوچھا کہ یہ ساٹھ درہم کہاں سے ملے تو فرمایا۔ اپنے خدا سے تجارت کی تھی۔ ساٹھ درہم نفع ہوا۔ پھر حضرت علی نے یہ سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو حضور نے فرمایا۔ پہلا اعرابی جبریل تھا۔ اور دوسرا میکائیل اور اونٹنی وہ تھی جس پر قیامت

کے روز میری بیٹی فاطمہ سوار ہو گی۔ (نزہتہ المجالس صہ ۱۹۵۔ ج ۱)

سبق صدقہ و خیرات اور کسی حاجت مند سائل کا سوال پورا کرنا موجب رضائے حق ہے۔ اور ایک ایسی تجارت ہے جو خدا تعالیٰ سے کی جاتی ہے جس میں سراسر نفع ہی نفع ہے۔ نقصان کا اندیشہ تک نہیں۔ اخروی فائدہ کے علاوہ اس دنیا میں بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

(مشکوٰۃ شریف صہ ۴۱۴)

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہا اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی مصیبت دور کر دی۔ اللہ نے قیامت کی مصیبتوں سے اس کی ایک مصیبت دور کر دی۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کی اعانت و حاجت روائی کا ارشاد فرمایا ہے اور کسی مصیبت میں مبتلا فرد کی مصیبت دور کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ کوئی حاجت مند سائل اور مصیبت زدہ فرد نظر آئے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا سوال پورا کر کے اس کی حاجت روائی کرے اور مصیبت زدہ فرد کی مدد کر کے اس کی

مصیبت دور کرے۔

اللہ کی عطا سے اس کے بندے بھی حاجت روا و مشکل کشا ہیں

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خدا کی دی ہوئی توفیق سے اس کے بندے بھی حاجت روا ہیں اور دوسروں کی مصیبت دور کر سکتے ہیں۔

حدیث میں لفظ فَرَّجَ آیا ہے جو فرج سے بنا ہے اور فرج کا معنی ہے کشائش یعنی کھولنا (صراح) اور کُربَۃ کا معنی ہے مصیبت یا مشکل تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کی مشکل کھولی اللہ نے قیامت کی مشکلات سے اس کی ایک مشکل کھول دی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا مشکل کشا ہوا اللہ قیامت کے روز اس کا مشکل کشا ہوا۔ "کشا" کا لفظ فارسی ہے جس کا معنی کھولنے والا ہے اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ اللہ کے بندے باذن اللہ مشکل کشا ہو سکتے ہیں۔

نوری مخلوق اعرابی کی شکل میں

یہ بھی معلوم ہوا کہ جبریل و میکائیل دونوں اعرابی کی شکل میں آئے حالانکہ وہ دونوں نوری مخلوق تھے۔

اب کوئی جاہل اعرابی ان کی شکل بننے لگے تو یہ اس کی جہالت و گمراہی ہوگی

جبریل و میکائیل اگرچہ لباس اعرابی میں آئے مگر پھر بھی وہ حقیقت میں نور ہی تھے اسی طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور ہے مگر وہ ہمارے پاس لباس بشریت میں تشریف لائے۔ جس طرح جبریل و میکائیل کا لباس اعرابی میں آنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اب وہ نور نہیں رہے۔ اسی طرح ہمارے حضور کا لباس بشریت میں آنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ حضور نور نہیں رہے۔ حضور نور ہیں اور سراپا نور ہیں مگر ہم جیسے بشروں کی ہدایت کے لیے لباس بشریت میں ملبوس تشریف لائے ہیں۔

اس عالم میں آپ جو لباس بشریت میں تشریف لائے تو یہ محض لباس ہے اور لباس کے بدل جانے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔ دیکھیے زید نے یورپ میں جاکر کوٹ پتلون پہنی اور پاکستان میں آکر شیروانی و شلوار پہن لی پنجاب میں سر پر عمامہ باندھا اور یوپی میں جاکر ہلکی پھلکی ٹوپی پہن لی۔ اور بنگال میں جاکر ننگے سر ہی پھرنے لگے۔ تو ان سب صورتوں میں جیسا دیس ویسا بھیس کے مطابق لباس بدلتا رہا مگر زید وہی زید کا زید ہی رہے گا۔ اسی طرح بلا تشبیہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ جب آپ اس عالم بشریت میں تشریف لائے تو آپ نے اس عالم کا لباس لباس بشریت زیبِ تن فرمایا۔ تو اس لباس بشریت کے زیب تن فرمانے سے حضور کے نور ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ آپ پہلے بھی نور تھے اور اب بھی نور ہی ہیں ؎

آپ کی آمد سے یہ گلخن بھی تو گلشن ہوا
آپ ہی کے نور سے ظلمت کدہ روشن ہوا

مرحبا صلِّ علیٰ نور نبی کہنا ہے کیا
تجھ سے مہ روشن ہوا اور مہر بھی روشن ہوا

حکایت نمبر ۱۴

جبریل نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر دی

ایک روز حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضور کے پاس آئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! آج میں نے بہت ڈراؤنا ایک خواب دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا وہ کیا؟ عرض کیا حضور! وہ بہت ہی سخت ہے فرمایا تم بتاؤ کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا حضور میں نے دیکھا کہ آپ کے جسد اقدس سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے۔ حضور نے سن کر فرمایا۔ یہ تو تم نے بڑا اچھا خواب دیکھا ہے۔ میری بیٹی فاطمہ کے گھر ان شاء اللہ فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔

چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل نے انہیں اپنی گود میں اٹھا لیا۔ حضور نے جو فرمایا تھا وہی ہوا۔

حضرت ام الفضل فرماتی ہیں۔ ایک روز میں حضرت امام حسین کو گود میں اٹھائے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حسین کو حضور کی گود میں ڈال دیا میں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ! آپ کی آنکھوں میں آنسو کیسے؟ فرمایا

ابھی ابھی جبریل آیا ہے۔ اس نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت اس میرے بیٹے کو شہید کر دے گی۔ میں نے عرض کیا۔ اس کو؟ فرمایا ہاں اسی کو۔ پھر فرمایا جبریل اس میدان (کربلا) کی یہ سرخ مٹی بھی لے کر آیا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص۵۶۴)

سبق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر ہیں۔ چنانچہ حضرت ام الفضل کے خواب کی آپ نے یہی تعبیر بیان فرمائی کہ میرے جسم انور کا وہ ٹکڑا حسین ہیں رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ما فی الارحام کا بھی علم عطا ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ کے گھر ان شاء اللہ فرزند پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام حسین پیدا ہوئے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حضور کو علم تھا اور مقام شہادت دشتِ کربلا کا بھی علم تھا۔

ایک اعتراض کا جواب اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر حضور کو علم تھا تو آپ نے اپنے نواسہ کو روکا کیوں نہیں؟ اور کیوں نہیں ان سے فرما دیا کہ بیٹا! کربلا کا رخ ہرگز کبھی اختیار نہ کرنا ورنہ یزیدیوں کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض شہادت کے علو مرتبت سے ناواقف ہے۔ شہادت تو ایک بہت بڑا مرتبہ ہے۔ خدا نے شہید کو زندہ قرار دیا ہے۔ فرمایا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ

اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (پ ۲ ع ۳)

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں خبر نہیں۔

اس آیت میں شہید کو مردہ نہ کہنے کا حکم ہے یعنی اُسے مردہ نہ کہو۔ ممکن ہے کوئی سمجھتا کہ خدا نے صرف مردہ کہنے سے روکا ہے۔ ویسے ہوتے وہ مردہ ہی ہیں۔

اس شک کو دوسری آیت میں دور فرما دیا۔ اور فرمایا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔

(پ ۴۔ ع ۸)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ ہرگز مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں۔

یہ ہے شان شہید کی۔ کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ شہادت کے بعد زندہ ہے روزی پاتا ہے۔ اُسے مردہ نہ کہو نہ مردہ سمجھو۔ وہ زندہ ہے ہاں تمہیں خبر نہیں۔

وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

"ہاں تمہیں خبر نہیں" ہماری بے خبری سے۔ شہید کی زندگی میں فرق نہیں آسکتا۔ دیکھیے ہم سب اپنی پیدائش سے پہلے اپنی اپنی ماؤں کے شکموں میں تھے اور زندہ تھے۔ زندہ ہی تھے تو زندہ پیدا ہوئے۔ مگر ماں کے پیٹ کی اپنی زندگی کی ہمیں کوئی خبر نہیں۔ باوجود اس کے ہمیں یقین ہے کہ ہم ماں کے پیٹ میں زندہ تھے۔ اسی طرح شہید کی قبر کی زندگی سے اگرچہ ہم بے خبر ہیں مگر ہمیں اس

زندگی کا بھی یقین ہے۔

شہادت کی بلند و بالا شان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کا علو مرتبت دکھانے کے لیے فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ۔

بخدا میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں میں شہید ہوں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہوں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہوں۔

(بخاری شریف ص ۳۹۲ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں میں یہی جذبہ پیدا فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے۔

"الٰہی مجھے اپنے رسول کے شہر میں شہادت عطا فرما۔"

(بخاری شریف ص ۲۹۱۔ ج ۱)

شہید کو جامِ شہادت نوش کرتے وقت جو لذت و کرامت حاصل ہوتی ہے اس کی اہمیت ملاحظہ فرمائیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی بھی جنتی جنت سے نکل کر پھر اس دنیا میں آنا نہ چاہے گا۔ اگرچہ ساری دنیا کا مال بھی اسے مل جائے مگر شہید کی یہ تمنا ہوگی کہ میں پھر دنیا میں جاؤں اور دس مرتبہ اللہ کی راہ میں شہید ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۲)

شاعر نے خوب لکھا ہے ؎

مزہ جو مرنے کا عاشق بیاں کبھی کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک حالات پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ جامِ شہادت پینے کے مشتاق رہتے تھے۔ اجلہ صحابہ کرام کے علاوہ چھوٹی عمر کے بچوں میں بھی جذبہ شہادت موجود تھا۔ چنانچہ ابوجہل جیسے بڑے کافر کو دو چھوٹے چھوٹے بچوں نے فی النار کیا تھا۔

یہی جذبہ شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں حسنین کریمین میں بھی موجود تھا۔ جس جذبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود انتہائی پیار تھا۔ حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے اُس جذبہ کو کیوں روکتے اور انہیں فرماتے کہ بیٹا کربلا کا رخ ہرگز نہ کرنا۔ معترض چاہتا ہے کہ حضور اپنے پیارے نواسے کو مراتبِ علیا حاصل کرنے سے روک دیتے۔

الزامی جواب

یہ کہنا کہ اگر حضور کو علم تھا تو آپ نے اپنے نواسے کو روکا کیوں نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ۔ (پ۳۔ ع ۱۱)

جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے ہیں۔

وَکُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ

حَقٍّ۔ (پ ۶۔ ع ۲۴)

ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لیے کہ وہ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے۔

ان آیات میں یہودیوں کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کو ناحق شہید کرتے رہے۔ منکرین بتائیں کہ اللہ کو تو علم تھا کہ میں نے اگر ان نبیوں کو بھیجا تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ پھر اللہ نے ان نبیوں کو بھیجا ہی کیوں! پس جو جواب یہاں ہوگا وہی جواب ہمارا ہوگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر مشکل کے وقت مدد فرما سکتے ہیں تو حضور نے کربلا میں اپنے نواسے کی مدد کیوں نہ کی؟ بات پھر وہی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کو اُخروی کامیابی اور شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کرنے سے کیوں نہ روک دیا؟

حضور نے مدد فرمائی

آئیے دیکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کربلا میں اپنے پیاروں کی مدد فرمائی یا نہ فرمائی؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مدد کرنے کا جو اپنا انداز بیان فرمایا ہے۔ پہلے وہ معلوم کر لیجیے خدا فرماتا ہے۔

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(پ ۲۱۔ ع ۸)

اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ مسلمانوں کی مدد فرمانا۔

یعنی مسلمانوں کی مدد فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ اب دیکھیے خدا کی مدد

فرمانے کا طریق کیا ہے؟ فرمایا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔ (پ ۲۶۔ ع ۵)

اے ایمان والو! اگر تم دینِ خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ۔ (پ ۹۔ ع ۱۶)

اور تمہارے دل کی ڈھارس بندھادے اور اس سے تمہارے قدم جمادے۔

خدا کی اس مدد سے مسلمان ہمیشہ اعدائے دین سے ثابت قدم رہ کر قتال کرتے رہے۔ مورخین نے واقعات کربلا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے فسق و فجور کے سامنے ڈٹ گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مدینہ منورہ میں اور کبھی میدان کربلا میں رات کو خواب میں اپنے پیارے نواسے کو اپنے دیدار پرانوار سے مشرف فرما کر انہیں اس امتحان گاہ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے ہیں اور ان کے لیے صبر و اجر کی دعائیں فرماتے ہیں۔ یہ حضور ہی کی تلقین اور دعاؤں کا کرشمہ تھا کہ ۷۲ ہزار سے بھی زیادہ یزیدیوں کے مقابلہ میں صرف ۷۲ نفوس قدسیہ کی معیت میں مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ اور ثابت قدم رہے۔ منہ

نہیں پھیرا۔ پیٹھ نہیں دکھائی۔ بے مثال ہمت و بہادری اور انتہائی عزم و استقلال حوصلہ و جرأت اور صبر و شکر کے ساتھ یزیدیوں کا مقابلہ کیا۔ فرشیوں عرشیوں سے دادِ تحسین حاصل کی اور قیامت تک کے لیے اپنا نام روشن فرما دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

رونا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے جب شہادتِ حسین کی خبر سنی تو چشمانِ مبارک میں آنسو آ گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ شہادت سن کر خود بخود اگر آنسو آ جائیں تو یہ جائز ہے۔ صرف رونے کی حد تک یہ جواز ہے۔ اور جزع و فزع سینہ کوبی ماتم وغیرہ شرعاً ناجائز ہے۔ صرف رونا بھی جو بغیر تکلف کے آ جائے جائز ہونے کے باوجود ایک درس بھی دیتا ہے اور وہ یہ کہ ؎

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
جانفشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ
آنکھ میں آنسو ہوں دل میں ہو شرارِ زندگی
شعلۂ آتش بھی ہو بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر رونے والا ضروری نہیں کہ سچا ہی ہو۔ اگر ہر رونے والا سچا ہی مانا جائے تو پھر دنیا بھر میں کوئی عورت جھوٹی نہیں جنہیں بات بات پر خواہ مخواہ رونا آ جاتا ہے۔ آ بھی نہیں جاتا بلکہ وہ رونا شروع کر دیتی ہیں۔ رونے کی تائید میں بعض لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ بناوٹی اور جھوٹا رونا نہ تھا سچا تھا۔

اسی لیے قرآن پاک میں آتا ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ (پ ۱۳۔ ع ۴)

اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ کا غم انتہا کو پہنچ گیا اور روتے روتے آپ کی آنکھ کی سیاہی کا رنگ جاتا رہا۔ اور بینائی ضعیف ہو گئی۔ یہ غم آپ کا سچا تھا رونا بھی سچا تھا۔ آج بھی اگر یہ غم منانے والے اور آنسو بہانے والے سچے ہوتے انہیں سچا غم ہوتا اور ان کا رونا بھی سچا ہوتا تو کم از کم ان میں سے کوئی ایک ہی آج تک اندھا ہو گیا ہوتا۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔

توہین اہلِ بیت

شہادت کی عظمت و اہمیت آپ پڑھ چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد بھی آپ نے پڑھا۔ کہ حضور کو خود بھی شہادت سے بڑا پیار تھا مگر آئیے اب ان برائے نام محبان حسین کی ایک روایت پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ ان لوگوں نے اہل بیت عظام کی برائے نام محبت کے رنگ میں کس قدر توہین کی ہے۔ چنانچہ اصول کافی کے صفحہ ۲۹۴ پر ہے۔

"امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جبریل نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بشارت دی کہ فاطمہ کے گھر ایک بچہ پیدا ہو گا۔ جسے تمہاری امت تمہارے بعد شہید کر دے گی تو حضور نے کہا۔ مجھے فاطمہ سے پیدا ہونے والے ایسے بچہ کی کوئی ضرورت نہیں جسے میری امت شہید کر دے گی۔ جبریل واپس

آسمان پر گئے اور پھر اترے اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ حضور نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے ایسے بچہ کی جو شہید کیا جائے گا کوئی ضرورت نہیں۔ جبریل پھر آسمان پر گئے۔ پھر اترے اور کہا۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس بچہ کی اولاد میں امامت اور ولایت اور وصیت مقرر کروں گا۔ یہ سن کر حضور راضی ہوتے۔ پھر فاطمہ کو پیغام بھیجا کہ خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ تجھ سے ایک بچہ پیدا ہو گا۔ جسے میری امت شہید کر دے گی۔ تو فاطمہ نے جواب بھیجا کہ مجھے ایسے بچہ کی کوئی حاجت نہیں۔ جسے تمہاری امت شہید کر دے گی۔ حضور نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اللہ نے اس کی اولاد میں امامت اور ولایت اور وصیت مقرر کی ہے تو فاطمہ نے کہلا بھیجا کہ میں راضی ہو گئی۔"

اس روایت سے جو نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

خدا تعالیٰ جبریل کے ذریعہ حضور کو ایک بچہ کی بشارت دیتا ہے کہ فاطمہ کے گھر ایک بچہ پیدا ہو گا جو شہید ہو جائے گا۔ بشارت کا معنی ہے خوشخبری۔ خدا اپنے رسول کو خوشخبری دیتا ہے۔ ایک شہید ہو جانے والے بچہ کی ولادت کی اطلاع دیتا ہے مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خدا کی عظمت و جلال کا (معاذ اللہ) کچھ بھی خیال نہ کر کے بڑی جرات کے ساتھ بار بار اس انعام خداوندی کو رد کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی دنیاوی بادشاہ کسی امیر کو انعام دینا چاہے، اور وہ اس طرح رد کر دے تو یہ بادشاہ کی توہین

سمجھی جاتی ہے۔

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جس چیز کو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے موجب نعمت و رحمت تجویز کیا اور اس کی خوشخبری سنائی۔ ان دونوں نے اس کو اپنے لیے مصیبت اور قابل رد سمجھا۔ گویا اللہ کو حکیم و خبیر نہ جانا۔ اور اپنی رائے اللہ کی تجویز پر مقدم سمجھی۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ جس چیز کی اللہ نے بشارت بھیجی ہو وہ ضرور بہت بڑی نعمت ہوگی۔

تیسرے یہ کہ شہادت فی سبیل اللہ میں وہ دونوں کچھ بھی فضیلت نہ جانتے تھے بلکہ شہادت کو حقیر اور قابل رد سمجھتے تھے۔

ان نتائج کے پیش نظر معلوم ہوا کہ دشمنانِ صحابہ کرام نہ صرف صحابہ ہی کے بلکہ اہل بیت عظام کے بھی گستاخ ہیں۔ ؎

یہ ہیں اللہ کے پیاروں کے دشمن
نبی کی آل اور یاروں کے دشمن

حکایت نمبر ۱۵

جبریل کا مشاہدہ

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا۔ تم نے مشرق و مغرب کو دیکھا ہے۔ کہیں میرے جیسا بھی دیکھا ہے۔ جبریل نے عرض کیا۔ حضور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھ ڈالا کہیں بھی کسی کو آپ سے افضل نہ پایا۔

یارسول اللہ! آپ کا رب آپ کے لیے فرماتا ہے کہ میں نے اگر ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے۔ اور میں نے کوئی بھی ایسا نہیں بنایا جو آپ سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ اور میں نے ساری دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لیے بنایا ہے کہ تمہاری شان اور میرے نزدیک جو عزت ہے وہ میں انہیں بتاؤں اور دکھاؤں۔ اے میرے محبوب! میں نے اگر تمہیں نہ بنایا ہوتا تو ساری دنیا کو پیدا نہ فرماتا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۹)

سبق جبریل امین کے اس مشاہدہ نے اس حقیقت کو اور بھی زیادہ آشکار کر دیا کہ خدا کی ساری خدائی میں کوئی بھی حضور سے افضل نہیں حضور ہی سب سے افضل ہیں اور بعد از خدا بزرگ توئی کے مصداق۔ کوئی حضور کی مثل ہو ساری کائنات میں ایسا کوئی پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی بدبخت ایسا دعویٰ کرے تو وہ ایک زاغ ہے جسے بلبل کی ہمسری کا دعویٰ ہے۔ ایک شیطان ہے جسے فرشتے کی برابری کا خیال خام ہے۔ ایک قطرہ ناپاک ہے جسے آبِ زمزم سے مماثلت کا گمان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور حضور اللہ کے حبیب ہیں۔ خلیل مرضیٔ خدا چاہتا ہے اور مرضیٔ حبیب خدا چاہتا ہے۔

صاحب لمعات فرماتے ہیں۔

هُوَ جَامِعٌ لِلْخُلَّةِ وَالتَّكْلِيْمِ وَالْاِصْطِفَاءِ وَالْمُنَاجَاةِ
مَعَ شَيْئٍ زَائِدٍ لَمْ يُثْبَتْ لِاَحَدٍ وَهُوَ كَوْنُهُ
مَحْبُوْبَ اللّٰهِ الْمَحَبَّةِ الْخَاصَّةِ الَّتِيْ هِيَ مِنْ

خواص ص۱۴۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۰۵)

حضرت آدم کا اصطفا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تکلیم اور عیسیٰ علیہ السلام کی مناجات۔ حبیب اللہ ان سب کا جامع ہے۔ ایک اور وصف زائد بھی اس میں شامل ہے اور وہ حضور کا محبت خاص سے خدا کا محبوب ہونا ہے جو کسی دوسرے پیغمبر کو حاصل نہیں۔

معلوم ہوا کہ ساری کائنات میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں ہے

جبریل سے کہنے لگے اک روز یوں شاہِ امم
تم نے دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
یوں کہا جبریل نے اے مہ جبیں تیری قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

رب جلیل اور مولوی اسمٰعیل

خدا نے یہ ساری کائنات صرف اسلیے پیدا کی ہے تاکہ وہ اپنے محبوب کی شان و عزت ساری کائنات کو بتائے اور دکھائے کہ میرے محبوب کی میری نظر میں دیکھو کتنی بڑی شان ہے اور میری بارگاہ میں اس کی کتنی عزت ہے۔ مگر افسوس کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی پر جس نے یہ لکھ دیا کہ۔

اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۲۳)

خدا تو اپنے محبوب کی شان و شوکت اپنے روبرو بہت بڑی بتائے اور ساری کائنات ہی اسی لیے بنائے تاکہ کائنات محبوب خدا کی بارگاہ خدا میں شان و عزت دیکھے۔ مگر مولوی اسمٰعیل خدا کے ارشاد کے برعکس نہ صرف حضور ہی کو بلکہ سارے نبیوں اور ولیوں کو بھی خدا کے روبرو ذرہ ناچیز سے بھی کمتر بتاتے۔ اس ذرہ ناچیز سے بھی کمتر مولوی اسمٰعیل کا یہ قول خدا تعالیٰ کے مقدس ارشاد کے روبرو ایک قول خبیث سے بھی بدتر ہے۔

آخر میں خدا نے فرمایا۔ اے محبوب! میں نے اگر تمہیں نہ بنایا ہوتا تو ساری دنیا کو پیدا نہ فرماتا۔

زمین و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے

حکایت نمبر۱۶

جبریل کی حاجت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج جبریل میرے ساتھ تھا سدرۃ المنتہیٰ کا مقام آیا۔ تو جبریل وہاں رک گیا۔ حضور فرماتے ہیں میں نے جبریل سے کہا کہ کیا ایسے مقام میں دوست دوست کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں رک کیوں گئے؟ جبریل نے عرض کیا۔ حضور! اس مقام سے اگر میں ذرہ بھر بھی آگے بڑھا تو تجلیات کے نور سے میں جل جاؤں گا۔ اب آگے جانا آپ ہی کی

شان ہے۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا اے جبریل۔ ہم تنہا ہی آگے جا رہے ہیں۔ بتاؤ تمہاری کوئی حاجت ہے؟ اگر کوئی حاجت ہے تو بیان کرو۔ ہم اللہ سے تمہاری حاجت پوری کرا لائیں گے۔ جبریل نے عرض کیا ہاں حضور میری ایک حاجت ہے میری طرف سے خدا سے سوال کیجیے کہ قیامت کے روز جب تمام امتیں پل صراط سے گزر رہی ہوں۔ جب حضور کی امت گزرنے لگے تو میری تمنا ہے کہ میں پل صراط پر اپنے پر بچھا دوں تاکہ آپ کی امت اس پر سے آسانی کے ساتھ گزر جائے

(مواہب لدنیہ صفحہ ۲۹۔ جلد۲)

سبق جبریل امین فرشتوں کے سردار ہیں۔ شب معراج سدرہ پر آ کر رک گئے اور حضور سے عرض کیا ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

حضور! آگے آپ ہی تشریف لے جایئے۔ میں اب اگر آپ کے ساتھ آگے چلا۔ تو فروغ تجلی سے میرے پر جل جائیں گے۔ جبریل امین سدرہ سے آگے نہ جا سکے مگر حضور آگے بڑھ گئے اور جبریل نے بھی یہی کہا۔ کہ آگے جانا آپ ہی کی شان ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت جبریل کی نورانیت سے کہیں زیادہ تھی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اے ہزار اں جبرئیل اندر بشر
بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات میں بے مثل ہیں۔ حتیٰ کہ جبریل امین بھی آپ کی مثل نہیں ہو سکتے۔ جبریل امین نے نہ حضور کو اپنی مثل سمجھا اور نہ خود کو حضور کی مثل جانا۔ اگر وہ حضور کو اپنی مثل سمجھتے تو سدرہ پر خود رکے تھے حضور کو بھی روک کر کہتے کہ حضور میں یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ بھی آگے مت بڑھیں۔ اور اگر خود کو حضور کی مثل جانتے تو وہ سدرہ پر نہ رکتے اور حضور کے ساتھ آگے چل پڑتے۔ مگر نہ حضور کو روکا نہ خود آگے بڑھے۔ گویا نہ حضور کو اپنی مثل سمجھا نہ خود کو حضور کی مثل جانا۔ الحمد للہ اہل سنت کا وہی عقیدہ ہے جو جبریل کا ہے۔

وسیلہ عظمیٰ حضور نے جبریل سے فرمایا تمہاری کوئی حاجت ہو تو بتاؤ ہم اللہ سے پوری کرا لائیں گے۔ گویا حضور نے اس امر کا اظہار فرمایا کہ حقیقی حاجت روا تو اللہ ہی ہے۔ مگر اس کی یہ حاجت روائی میرے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر حضور کا وسیلہ ضروری نہ ہوتا تو جبریل امین کہہ دیتے۔ حضور! مجھے اگر اللہ سے کوئی حاجت ہوئی تو میں خود اس سے کہہ لوں گا۔ آپ سے کہنے کی۔ مجھے کیا حاجت ہے؟ جبریل نے یوں نہیں کہا۔ اور اپنی حاجت کا حضور ہی سے ذکر کیا اور عرض کیا کہ قیامت کے روز پل صراط پر آپ کی امت کے لیے اپنے پر بچھا دوں۔ میری اس حاجت کو اللہ کے حضور آپ پیش کریں تاکہ خدا میری اس حاجت کو پورا فرما دے۔ اسی لیے اعلیحضرت نے فرمایا ہے ؎

بے اُن کے واسطہ کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اتنے شرف کی بات ہے کہ جبریل امین بھی حضور کے غلاموں کے لیے اپنے پر بچھانے کی تمنا رکھتے ہیں ؎

زاہد اُن کا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

حکایت نمبر ۱۷
جبریل اور ملک الموت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وصال شریف میں بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت افزائی کے لیے صرف آپ کی خاطر مجھے آپ کی مزاج پرسی کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پوچھتا ہے آپ کا کیا حال ہے۔ حالانکہ وہ آپ سے زیادہ آپ کا حال جانتا ہے۔ حضور نے فرمایا میں مغموم و مکروب ہوں۔ دوسرے دن جبریل پھر حاضر ہوئے اور اللہ کی طرف سے حال پوچھا۔ حضور نے پھر وہی جواب دیا۔ جبریل تیسرے دن پھر آئے اور اللہ کی طرف سے حال پوچھا۔ حضور نے پھر وہی جواب دیا۔ جبریل نے عرض کیا۔ حضور! آج میرے ساتھ اسمٰعیل نام کا فرشتہ بھی آپ کی مزاج پرسی کے لیے آیا ہے۔ حضور نے اس کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ کون ہے؟ جبریل نے بتایا۔ حضور یہ فرشتہ ایک لاکھ فرشتوں کا سردار ہے اور اس کے ماتحت جو لاکھ فرشتے ہیں جو ان میں سے ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا سردار ہے یعنی یہ اسمٰعیل ایک ایک لاکھ فرشتوں کے ایک لاکھ سرداروں کا سردار ہے۔ آپ کی مزاج پرسی

کے لیے حاضر ہوا ہے۔ جبریل نے پھر عرض کیا۔ حضور! آج میرے ساتھ ملک الموت بھی آیا ہے اور آپ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ جب کہ اس نے آج تک کبھی کسی سے اجازت طلب نہیں کی۔ اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت طلب کرے گا۔ حضور اگر آپ اسے اجازت دیں تو وہ حاضر ہو جائے۔ حضور نے فرمایا اُسے اجازت ہے اُسے آنے دو۔ چنانچہ اجازت پا کر ملک الموت حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کا ہر حکم مانوں جو آپ فرمائیں وہی کروں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں روح مبارک کو قبض کروں۔ مرضی نہ ہو تو واپس چلا جاؤں۔ حضور نے فرمایا کیا تم ایسا ہی کرو گے۔ ملک الموت نے عرض کیا ہاں۔ حضور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں آپ کی مرضی کے مطابق کام کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی طرف دیکھا۔ جبریل نے عرض کیا۔ حضور! اللہ تعالیٰ آپ کے لقاء و وصال کو چاہتا ہے۔ حضور نے ملک الموت کو فرمایا تمہیں روح قبض کرنے کی اجازت ہے۔ جبریل نے عرض کیا۔ حضور! اب جب کہ آپ تشریف لے جا رہے ہیں تو پھر زمین پر یہ میرا آخری پھیرا ہے۔ اس لیے کہ میرا مقصود تو صرف آپ تھے اس کے بعد ملک الموت روح المبارک کے قبض کرنے کے شرف سے مشرف ہوا۔

(مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۲۷۱، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۱)

سبق ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ملاحظہ فرمائیے کہ حضور بیمار ہوئے تو خدا تعالیٰ جو غنی عن العالمین ہے۔ حضور کی بیمار پرسی

فرماتا ہے۔ دستور ہے کہ دوست بیمار پڑے تو بیمار پرسی کے لیے دوست آتے ہیں۔ حضور اللہ کے محبوب ہیں۔ اور اللہ حضور کا محب۔ محبوب بیمار ہو اور محب بیمار پرسی کے لیے نہ آئے؟ یہ کیسے ممکن ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالےٰ خدائے کبریا ہے اور آنے جانے کی کیفیات سے پاک و منزہ ہے۔ اس نے جبریل کو بھیجا تاکہ وہ خدا کی طرف سے حضور کی بیمار پرسی کرے اور محبت کا تقاضا پورا ہو۔

حضور کی علالت خدا ہی کی طرف سے تھی اور اُسے حضور کے حال کا علم بھی تھا مگر پھر بھی حضور کی محبوبیت کا تقاضا یہی تھا کہ محب علم ہونے کے باوجود محبوب سے پوچھے کہ پیارے تیرا کیا حال ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پوچھنے والا ضروری نہیں کہ بے خبر ہی ہو۔ باخبر ہو کر بھی بعض اوقات کسی سوال میں حکمت ہوتی ہے۔

ہمارے حضور کی جلالتِ شان دیکھیے کہ خدا تعالیٰ بیمار پرسی فرما رہا ہے اور مسلسل تین روز۔ پھر تیسرے روز آپ کی بیمار پرسی کے لیے جبریل کے ساتھ ایک ایسا فرشتہ بھی حاضر ہوا جو ایک ایک لاکھ فرشتوں کے ایک لاکھ سرداروں کا سردار ہے۔ لاکھوں، کروڑوں۔ فرشتوں کا سردار ساری کائنات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ ایک وہ بھی ہیں جو بیمار پڑ جائیں تو حقیقی بیٹا بھی قریب نہیں آتا۔ قریب آتا بھی ہے تو فرشتہ اور فرشتہ بھی وہ جسے ملک الموت کہتے ہیں اور وہ بھی بیمار پرسی کے لیے نہیں بلکہ "روح کشی" کے لیے

آتا ہے۔ پھر ایسے لوگ اگر حضور کی مثل بننے لگیں تو ملک الموت ہی انہیں سنبھالے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس قبض کرنے کے لیے ملک الموت تنہا نہیں آیا۔ بلکہ جبریل کے ساتھ آیا اور حاضری کے لیے جبریل کی وساطت سے اجازت چاہی جب کہ اس نے اس سے پہلے کبھی کسی سے اجازت طلب کی تھی نہ آئندہ کرے گا۔ یہ صرف اور صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جلالتِ شان ہے کہ ملک الموت بھی حاضر ہونے سے پہلے اجازت طلب کرتا ہے۔ حضور نے حاضری کی اجازت دی۔ تو حاضر ہوا۔ اور پھر عرض یہ کیا کہ حضور! اللہ نے مجھے آپ کی طرف یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ میں اپنی مرضی نہ کروں بلکہ آپ کے حکم کی تعمیل کروں۔ حضور چاہیں تو روح اقدس کو قبض کروں، نہ چاہیں تو واپس چلا جاؤں۔ گویا حضور کا وصال مبارک آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ حضور نے اپنے اللہ کی لقاء و وصال کی خاطر اجازت دے دی۔ اور ملک الموت روح اقدس کو قبض کرنے کے شرف سے مشرف ہوا۔

کس قدر جہالت اور ظلم ہے اگر آج کوئی اس بے مثل ذاتِ گرامی کی مثل بننے لگے۔ جب کہ ہمارا یہ حال ہے کہ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حکایت نمبر ۱۸

جبریل کی بشارت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! آج آسمانوں پر حضور کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے داروغہ جہنم مالک کو حکم دیا کہ مالک! میرے حبیب کی روح مبارک آسمانوں پر تشریف لا رہی ہے۔ اس اعزاز میں دوزخ کی آگ بجھا دے اور حورانِ جنت کو حکم دیا ہے کہ تم سب اپنی تزئین و آراستگی کرو۔ اور سب فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ تعظیم روحِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب صف بصف کھڑے ہو جاؤ۔ اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بشارت دوں کہ تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر جنت حرام ہے۔ جب تک آپ اور آپ کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اور کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر آپ کی طفیل اس قدر بخشش و مغفرت کی بارش فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

(مدارج النبوۃ ص۴۲۵ ج ۲)

سبق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے موقعہ پر استقبال کی تیاریاں کرنا۔ تزئین و آراستگی اختیار کرنا اجتماعی رنگ میں خوشی کا مظاہرہ کرنا۔ محافل میلاد کا انعقاد کرنا۔ اور حضور کی تعظیم کے لیے قیام کرنا۔ یہ

سب امور مستحسنہ ہیں اور فرشتوں و حورانِ جنت کا بھی معمول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے موقعہ پر خوشی منانے کو ناجائز و بدعت کہنا گویا خدا کی معصوم مخلوق فرشتوں کو بھی اپنی اس جاہلانہ تیر اندازی کا ہدف بنانا ہے۔

حضور کی تشریف آوری کی خوشی میں دوزخ کی آگ بھی بجھا دی گئی۔ پھر اگر کوئی بدبخت حضور کی تشریف آوری کے موقعہ پر حضور کے غلاموں کو خوشی مناتے دیکھ کر بغض و حسد کی آگ میں جلنا شروع کر دے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ دوزخ کی آگ اس کے لیے نہیں بجھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت حضور کے غلاموں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ سب امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی اس قدر بارش فرمائے گا کہ حضور خوش ہو جائیں گے۔ اور اس حقیقت کا اظہار ہو جائے گا کہ ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
